# بدر تمام

# شرح نواقض اسلام

(آخری نسخہ 1443ھ)

**تالیف**

عبد اللہ محمد جہنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده......... وبعد:

یہ کتاب **شیخ مجدد محمد بن عبد الوہاب** رحمہ اللہ کے رسالہ **"نواقض الاسلام"** کی **مختصر شرح** ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس شرح کو قارئین کے لئے نفع بخش بنائے اور شیخ رحمہ اللہ کو مسلمانوں کی طرف سے بہترین بدلہ عنایت کرے۔ اس کی ذات پاک ہے۔ وہ سب سے بہتر ذمہ دار وسرپرست اور سب سے معزز مطلوب ہے۔وصَلِّ اللهم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## آپ یہ بات جان لیں کہ یہ دس چیزیں اسلام کے نواقض ہیں، یعنی اُسے فاسد و باطل کرنے والی ہیں۔

---

مصنف رحمہ اللہ کا قول (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

اُصول ثلاثہ کی شرح میں بسم اللہ کے متعلق کلام گزر چکا ہے۔

مصنف کا قول (آپ یہ بات جان لیں) اہم چیزوں کو بیان کرتے وقت اس کلمہ کا استعمال کیا جاتا ہے تاکہ علم سیکھنے والا انسان اس کے بعد آنے والی باتوں کو غور سے سنے۔

شیخ حافظ حکمی نے "معارج القبول" میں کہا ہے کہ (اعلم) تم یہ جان لو ایک ایسا کلمہ ہے جسے اہتمام اور اس کے بعد کی باتوں پر غور و تدبر کی ترغیب دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ یہاں اِس کلمہ کے بعد جو کچھ بیان کرنے جارہے ہیں اُسے مکلف کے لئے جاننا اور اس کی طرف توجہ مبذول کرنا حد درجہ اہم ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا قول (نواقض اسلام دس ہیں)

نواقض: ناقض کی جمع ہے جس کے معنی ہیں فاسد اور باطل کرنے والی چیز۔ "نقض" کا مطلب ہے کہ کسی بنی بنائی چیز کو بگاڑنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة أنكاثا" (اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ ڈالا) دوسری جگہ ارشاد ہے: "ولا تنقضوا الأيمان بعد توكيدها"

(اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو) ایک اور جگہ ارشاد ہے: "الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ" (جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں) اِن آیات سے معلوم ہوا کہ نقض کا مطلب کسی موجود چیز کو توڑنا یا بگاڑنا۔

نواقض اسلام یعنی اسلام کو ختم کرنے والے امور و اعمال بہت سے ہیں۔ ان میں سے کچھ عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں (اِس میں شک بھی شامل ہے) اِن میں سے کچھ قولی نواقض ہیں اور کچھ عملی نواقض ہیں۔

فقہائے مسالک نے فقہ کی کتابوں میں ایک مخصوص باب کے تحت اِن نواقض اسلام کو بیان کیا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے "باب المرتد" کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے جس کے تحت اسلام کے منافی متعدد امور و اعمال کو ذکر کیا ہے۔[1]

شیخ رحمہ اللہ نے یہاں اپنی کتاب میں ذکر کرنے کے لئے دس نواقض اسلام کو منتخب کیا ہے۔ یہ وہ نواقض ہیں جن میں لوگ بکثرت ملوث ہوتے ہیں اور جن کی خطرناکی زیادہ سنگین ہے۔

شیخ رحمہ اللہ نے اس رسالہ کے اخیر میں یہ بات کہی ہے کہ یہ دس نواقض اسلام وہ ہیں جو آخری حد تک خطرناک ہیں اور ان ہی میں لوگ سب سے زیادہ ملوث ہوتے ہیں۔

**تنبیہ:** یہ اور اس قبیل کے نواقض میں جب انسان ملوث ہو جاتا ہے تو وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے جو اسے ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے لیکن اس کے لئے چند شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسلام کے منافی ان امور کے کفر ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ ان میں ملوث ہونے والا انہیں حلال و جائز سمجھتا ہو بلکہ گناہ یا کفر کے کام کو حلال و جائز سمجھنا مستقل طور پر ایک کفر ہے، چاہے ان کا تعلق ان نواقض سے ہو یا دیگر معاصی سے ہو۔ اسی طرح ان گناہوں میں ملوث ہونے والے کو کبھی جہالت و ناواقفیت یا غلطی یا جبر و اکراہ یا تاویل وغیرہ شرعی طور پر معتبر اعذار کی وجہ سے معذور بھی سمجھا جاتا ہے۔

اگر کسی کو کسی کام کے حرام ہونے کا علم ہو تو اسے انجام دینا کفر ہوگا۔ اس کے لئے اس کام کے کفر ہونے کا علم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

---

(1) شیخ سلیمان بن سحمان کے بقول: کچھ اہل علم نے لکھا ہے کہ نواقض اسلام تقریباً چار سو ہیں۔

پہلا ناقض اسلام: اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِن اللہ لا یغفر أن یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء" (یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ ومأواہ النار وما للظالمین من أنصار" (یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو گا)

اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک بنانے کی ایک مثال غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا ہے۔ اس کی مثال وہ شخص ہے جو جن کے لئے یا قبر کے لئے جانور ذبح کرتا ہے۔

---

مصنف رحمہ اللہ نے دس نواقض اسلام پر گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے شرک باللہ کا تذکرہ کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا انسان کا سب سے بڑا جرم ہے اور سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِن اللہ لا یغفر أن یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء" (یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے) دوسری جگہ ارشاد ہے: "اِنہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ ومأواہ النار" (یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے) نیز ایک متفق علیہ حدیث میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تم کسی کو اللہ کا ہمسر بناؤ جبکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔"

یہاں اللہ کے ساتھ شرک سے شیخ رحمہ اللہ کی مراد عبادت (الوہیت) میں شریک ٹھہرانا ہے جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے۔ شرک کی اس قسم کے سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ کوئی عبادت غیر اللہ کے لئے انجام دی جائے مثلاً دعا یا نماز یا سجدے یا استغاثہ (فریاد) یا ذبح یا نذر یا ان کے علاوہ دوسری عبادات۔

شیخ رحمہ اللہ اکثر و بیشتر جب توحید اور شرک کے بارے میں بات کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد توحید عبادت اور شرک فی العبادت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سب سے بڑی کمی اور نقص کا پہلو یہی ہے اور توحید کی اسی قسم کے معاملہ میں انبیاء اور ان کی قوموں کے درمیان جھگڑے اور اختلافات ہوئے ہیں۔

اس توحید کا مطلب ہے کلمہ لا إلہ إلا اللہ کی عملی تطبیق۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وما أرسلنا من قبلک من رسول إلا نوحی إلیہ أنہ لا إلہ إلا أنا فاعبدون" (آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجے اسے وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہذا صرف میری ہی عبادت کرو) لغت عرب میں "إلہ" معبود کے معنی میں ہے۔ اس کی وضاحت شرح کشف الشبہات میں گزر چکی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے شرک اکبر کی ایک مثال ذکر کی ہے اور وہ غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا ہے۔ نواقض اسلام کے کچھ نسخے میں اس طرح کی عبارت آئی ہے (مردے سے دعا مانگنا یا انہیں پکارنا، ان سے فریاد کرنا، ان کے لئے نذر ماننا اور ان کے لئے جانور ذبح کرنا شرک اکبر کے قبیل سے ہے) اس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ عمل جس کے بارے میں یہ ثابت ہو کہ یہ عبادت ہے اسے غیر اللہ کے لئے انجام دینا شرک اکبر ہے۔ اس کی وجہ سے انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، العیاذ باللہ۔

شرح کتاب التوحید میں ذبح، نذر اور استغاثہ (فریاد) وغیرہ کے بارے میں گفتگو کی جا چکی ہے۔

## شرک کی تعریف

**لغوی تعریف:** لفظ شرک "مشارکہ" (شراکت داری) سے ماخوذ ہے۔

**شرعی تعریف:** شرعی اعتبار سے شرک کی دو تعریفیں ہیں:

**(أ) عام معنی کے اعتبار سے:** یعنی الوہیت، ربوبیت اور اسماء وصفات میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا۔

**(ب) شرک کی قسموں کے اعتبار سے:** اس صورت میں شرک کی ہر قسم کی ایک خاص تعریف ہو گی۔

ہم جانتے ہیں کہ توحید کی تین قسمیں ہیں۔ توحید کی ان تین قسموں میں سے ہر قسم کی ایک ضد ہے جسے اس کی تعریف سے سمجھا جائے گا:

توحید ربوبیت یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، رازق، زندگی دینے والا، موت دینے والا اور تمام معاملات زندگی کی تدبیر کرنے والا ہے۔ اس کی ضد یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کے خالق اور متصرف (تصرف کرنے والا) ہونے کا اعتقاد رکھے مثلاً وہ لوگ جو اونچے درجے کے ستاروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور انہیں دنیا کے کاموں کی تدبیر کرنے والا سمجھتے ہیں۔ یہ مشرکین میں سے صائبہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ اس میں قبر پرستوں کا شرک بھی شامل ہے جو مرنے کے بعد اولیاء کی روحوں کے تصرف کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ اولیاء مرنے کے بعد ضرورتیں پوری کرتے ہیں اور مصیبتوں کو دور کرتے ہیں۔ اس سے بڑا کفر خالق کا انکار ہے۔

توحید الوہیت یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دیا جائے اور غیر اللہ کی عبادت کی نفی کی جائے۔ اس کی ضد یہ ہے کہ عبادت کی کسی بھی قسم کو غیر اللہ کے لئے انجام دیا جائے۔

توحید اسماء وصفات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان ناموں سے موسوم کیا جائے جن ناموں سے اللہ تعالیٰ نے خود کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے موسوم کیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے متصف کیا جائے جن صفات سے اس نے خود کو متصف کیا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جن صفات سے متصف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے معاملہ میں ہر طرح کی تشبیہ اور مشابہت کی نفی کی جائے۔

اس کی ضد دو چیزیں ہیں جن پر الحاد کا اطلاق ہوتا ہے:

1۔ **تعطیل:** یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرنا، اللہ تعالیٰ کو قرآن وسنت سے ثابت اس کی صفاتِ کمال اور جلیل الشان اوصاف سے معطل کرنا۔

2۔ **تمثیل:** اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دینا یا مخلوق کی صفات کے مشابہ سمجھنا۔

## عبادت میں شرک کی دو قسمیں ہیں:

**1۔ شرک اکبر:** یہ ہے کہ کوئی عبادت یا اس کا جزء غیر اللہ کے لئے انجام دیا جائے۔

سعدی اپنی کتاب "القول السدید" میں کہتے ہیں: شرک اکبر کی تعریف اور اس کی ایسی تفسیر و توضیح جس میں اس کی تمام قسمیں اور اجزاء شامل ہو جاتے ہیں یہ ہے کہ بندہ عبادت کی کسی قسم یا کسی جزء کو غیر اللہ کے لئے انجام دے۔

ہر وہ عقیدہ یا قول یا عمل جس کے بارے میں ثابت ہو کہ شارع نے اس کا حکم دیا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دینا توحید، ایمان اور اخلاص ہے اور اسے غیر اللہ کے لئے انجام دینا شرک اور کفر ہے۔ آپ شرک اکبر کے اس ضابطہ کو اچھی طرح گرہ میں باندھ لیں۔ اس میں شرک کے قبیل کی ہر چیز شامل ہے، اس کا کوئی جزء اس ضابطہ سے الگ نہیں ہے۔

**2۔ شرک اصغر:** شرک کی اس قسم کے ضابطہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے:

(أ) شرک اصغر وہ ہے جو شرک اکبر تک پہنچنے کا ذریعہ ہو۔ اِسے سعدی نے اختیار کیا ہے مثلاً کڑا یا دھاگہ پہننا، شرکیہ الفاظ اور معمولی ریاء۔

سعدی "القول السدید" میں کہتے ہیں: شرک اصغر کی تعریف یہ ہے کہ ہر وسیلہ و ذریعہ جو شرک اکبر تک پہنچاتا ہو، چاہے اس کا تعلق ارادہ و نیت سے ہو یا اقوال سے ہو یا افعال سے ہو جو بذات خود عبادت نہ ہو۔ آپ شرک کے اِن دونوں ضابطوں کو اچھی طرح سمجھ لیجئے اور انہیں لازم پکڑیئے۔

(ب) ہر وہ چیز جسے نصوص میں شرک کہا گیا ہے لیکن وہ شرک اکبر کے درجہ تک نہیں پہنچتی ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: " بدشگونی شرک ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے: "جھاڑ پھونک، تعویذیں اور دلوں کو پھیرنے اور مائل کرنے کا عمل شرک ہیں۔" اور اسی قبیل کی دیگر حدیثیں۔ ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن باز اور ہمارے شیخ ابن عثیمین نے شرک اصغر کے سلسلہ میں اِسی ضابطہ کو اختیار کیا ہے۔

(ج) اِس کا کوئی ضابطہ نہیں جس کے تحت اِسے لایا جائے اور اِس کی کوئی تعریف نہیں ہے جو اس پر منطبق کی جائے۔ اِسے بس نصوص کے سیاق سے سمجھا جائے گا۔ اِس تعلق سے جو لوگ قاعدہ کلیہ کی بات کرتے ہیں ان کی

رائے سے یہ رائے زیادہ اچھی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اِس تعلق سے قاعدے اور ضابطے اکثریت کو دھیان میں رکھ کر متعین کئے جائیں گے۔

## شرک اکبر اور شرک اصغر کے درمیان بہت سے فرق ہیں۔ اُن میں سے چند یہ ہیں:

1۔ شرک اکبر کی وجہ سے تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں جبکہ شرک اصغر کی وجہ سے صرف وہ عمل برباد ہوتا ہے جس میں شرک اصغر کا ارتکاب کیا جائے۔

2۔ شرک اکبر صرف توبہ سے معاف ہوتا ہے جبکہ شرک اصغر صحیح قول کے مطابق کبیرہ گناہوں کی طرح ہے۔

3۔ شرک اکبر کی وجہ سے انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے (اس کا ارتکاب کرنے والا کافر ہو جاتا ہے) جبکہ شرک اصغر کی وجہ سے انسان ملت اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے (اس کا مرتکب موحد ہوتا ہے ایمان میں کمی کے ساتھ)

4۔ شرک اکبر کی وجہ سے انسان ہمیشہ کے لئے جہنم کا مستحق بن جاتا ہے جبکہ شرک اصغر کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے جہنم کا مستحق نہیں بنتا ہے۔

## شرک اکبر اور شرک اصغر دونوں ظاہر بھی ہوتا ہے اور پوشیدہ بھی ہوتا ہے:

شرک اکبر ظاہر کی مثال: غیر اللہ کو سجدے کرنا، غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا اور غیر اللہ سے استغاثہ (فریاد) کرنا۔ وغیرہ

شرک اکبر پوشیدہ کی مثال: بڑے پیمانے پر خالص ریاکاری کا مظاہرہ۔ اِسی کا نام نفاق ہے، یعنی ظاہر میں اسلام اور باطن میں کفر۔

شرک اصغر ظاہر کی مثال: غیر اللہ کی قسم کھانا، یہ کہنا کہ جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں، یہ کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتا اور آپ نہ ہوتے۔ وغیرہ

شرک اصغر پوشیدہ کی مثال: معمولی ریاکاری کا مظاہرہ۔

**تنبیہ:** شرک اصغر کے تمام عناصر مل کر شرک اکبر کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔اس میں شرک اصغر کے مرتکب کے اعتقاد کالحاظ کیا جاتا ہے۔

**ایک دوسری تنبیہ:** جنس کے اعتبار سے شرک اصغر کا درجہ کبیرہ گناہوں سے زیادہ بڑا ہے۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب کہتے ہیں: جب یہ کہا جاتا ہے کہ جس نے اِس اِس طرح کے کام کئے اُس نے شرک کیا یا کفر کیا تو اِس کا درجہ کبیرہ گناہوں سے اوپر ہوتا ہے۔[1]

## شرک اکبر کی بہت سی قسمیں ہیں، لیکن کچھ علماء نے شرک اکبر نے چار اُصول و بنیاد ذکر کئے ہیں۔وہ یہ ہیں:

### 1۔ دعامیں شرک۔کچھ لوگ اِسے شرک دعوت بھی کہتے ہیں:

وہ یہ ہے کہ غیر اللہ سے دعا مانگی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فإذا ركبوا في الفلك دعوا الله مخلصين له الدين فلما نجاهم إلى البر إذا هم يشركون" (پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لئے عبادت کو خالص کرکے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اُسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں) آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دعامیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو بھی شریک کرلیتے ہیں۔

ایسا اِس لئے ہے کہ دعا عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے عبادت کو انجام دینا شرک اکبر ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وقال ربكم ادعوني استجب لكم إن الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم داخرين" (اور تمہارے رب کا فرمان نشر ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے)

---

(1) الدرر السنية (1/189)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن یدع مع اللہ إلھا آخر لا برھان لہ بہ فإنما حسابہ عند ربہ إنہ لا یفلح الکافرون" (جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے، بیشک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں)

حدیث میں آیا ہے کہ دعا ہی عبادت ہے۔

سعدی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین" (تم لوگ اللہ تعالیٰ کو پکارو دین کو اس کے لئے خالص کر کے) اِس آیت میں دین عبادت کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ قرآن میں ایسا بہت سی جگہوں پر ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا دین کا مغز اور عبادت کی روح ہے۔

یہاں پر آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم اخلاص کے ساتھ اپنی ضرورتوں کے لئے اللہ سے سوال کرو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کے ساتھ نیکی و اطاعت کے کاموں کو انجام دو۔

### 2۔ نیت اور قصد و ارادہ کا شرک:

یعنی عمل کے ذریعہ غیر اللہ کا قصد کیا جائے، چاہے وہ جو بھی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "من کان یرید الحیاۃ الدنیا وزینتھا نوف إلیھم أعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون أولئک الذین لیس لھم في الآخرۃ إلا النار وحبط ما صنعوا فیھا وباطل ما کانوا یعملون" (جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہو اچاہتا ہو ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) یہیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انہیں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے یہاں کیا ہو گا وہاں سب اکارت ہے اور جو کچھ ان کے اعمال تھے سب برباد ہونے والے ہیں)

حدیث قدسی ہے: "جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ دوسرے کو شریک کیا تو میں اسے اور اس کے شرک کو اسی حال پر چھوڑ دیتا ہوں۔" (صحیح مسلم)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سارے اعمال غیر اللہ کے لئے ہوں یا اس کے اکثر اعمال غیر اللہ کے لئے ہوں۔ جہاں تک وقتی ریاء و نمود اور عمل کے ذریعہ دنیا طلبی کی بات ہے تو اس کی تفصیلات ہیں جو کتاب التوحید کی شرح میں گزر چکی ہیں۔

## 3۔ اطاعت میں شرک:

یعنی کوئی شخص اللہ کی اطاعت کی طرح غیر اللہ کی مطلق طور پر اطاعت کرے یا یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی اطاعت کی طرح غیر اللہ کی اطاعت بھی جائز ہے۔ اسے فیصلہ اور قانون سازی کے مسئلہ کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن الحكم إلا لله أمر ألا تعبدوا إلّا إياه" (فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو) دوسری جگہ ارشاد ہے: "أم لهم شركاء شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به الله" (کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں) ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وإن أطعتموهم إنكم لمشركون" (اور اگر تم ان کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے) مطلق اطاعت عبادت ہے، اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دینا واجب ہے۔ جس نے اسے غیر اللہ کے لئے انجام دیا اس نے اس عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور جس کے لئے اس عبادت کو انجام دیا اسے اپنا رب بنالیا۔

لہذا صرف اللہ تعالیٰ کی مطلق اطاعت واجب ہے۔ غیر اللہ کی اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرہ میں رہ کر کی جائے گی۔

## 4۔ محبت میں شرک:

یعنی کسی بھی غیر اللہ سے ایسی محبت کرنا جیسی محبت اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے یا اللہ سے بڑھ کر محبت کرنا یا غیر اللہ سے عبادت کی حد تک محبت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن الناس من يتخذ من دون الله أندادا يحبونهم كحب الله" (بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہئے)

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسری چیز سے محبت کی وہ محبت نہ تو اللہ کے لئے تھی، نہ اس کی وجہ سے تھی، نہ اس کی ذات کی خاطر تھی تو اس محبت کرنے والے نے اس چیز کو اللہ کا ہمسر بنالیا۔ یہ مشرکین کی محبت ہے۔

دوسرا ناقض اسلام: یہ ہے کہ جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے بنائے، جن سے وہ دعا مانگتا ہو، ان سے سفارش کرنے کی درخواست کرتا ہو اور ان پر توکل کرتا ہو تو یہ اجماعی طور پر کفر ہے۔

---

اسلام کے منافی یہ عمل اس خلاف اسلام عمل میں داخل ہے جسے پہلے نمبر پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ عمل بھی عبادت میں شریک کرنا ہے، لیکن مصنف رحمہ اللہ نے اس کی اہمیت، اس کے لوگوں میں عام ہونے اور اس کے تعلق سے شبہ کے موجود ہونے کی وجہ سے اسے علاحدہ طور پر بیان کیا ہے۔

شرک کی یہ شکل تمام قوموں میں شرک کی بنیاد رہی ہے، کیونکہ وہ لوگ اجمالی طور پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے تھے لیکن اسی کے ساتھ اپنے باطل معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفارشی بھی بناتے تھے۔ ان کا یہ عمل اسلام کی بنیادی تعلیم کے برخلاف تھا۔ ان ہی مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ویعبدون من دون اللہ ما لا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھؤلا شفعاؤنا عند اللہ" (اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ان ہی کے بارے میں ہے: "ما نعبدھم إلا لیقربونا إلی اللہ زلفی" (ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں)

کفار قریش اور دیگر کفار جن کی رہنمائی کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تسلیم کرتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ ان کے باطل معبود جن کی طرف وہ متوجہ ہوتے ہیں، کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جاہ ومرتبہ ہے۔ وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ جب وہ ان معبودوں کی طرف دعا، ذبح، نذر اور استغاثہ (فریاد کرنا) جیسی عبادتوں کے ذریعہ متوجہ ہوتے ہیں تو اس سے ان کے باطل معبود راضی وخوش ہوتے ہیں، ان معبودوں تک رسائی کا انہیں فائدہ حاصل ہوتا ہے، وہ باطل معبود انہیں اس طرح فائدہ پہنچاتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کی سفارش کرتے ہیں۔ وہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کا یہ مشرکانہ عمل نیک اعمال کا حصہ ہے، اس لئے کہ ان کا یہ عمل اللہ کے نزدیک ان کے حق میں ان باطل معبودوں کی سفارش کو یقینی بناتا ہے اور اللہ کے نزدیک ان کے بلندیٔ درجات کا سبب بنتا ہے۔

اسی بد اعتقادی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی رہنمائی کے لئے مبعوث کیا تاکہ آپ ان کے سامنے یہ واضح کر دیں کہ ان کا یہ عمل بڑے اور سنگین گناہوں میں سے ایک ہے، یہ بعینہ شرک ہے۔ اس لئے کہ یہ سارے اعمال عبادات کے زمرہ میں آتے ہیں جنہیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دینا جائز ہے۔ جس نے ان اعمال کو غیر اللہ کے لئے انجام دیا وہ شرک اکبر میں مبتلا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو یہ حکم دیا کہ ہر طرح کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین ألا للہ الدین الخالص والذین اتخذوا من دونہ أولیاء ما نعبدھم إلا لیقربونا إلی اللہ زلفیٰ إن اللہ یحکم بینھم فیما ھم فیہ یختلفون" (پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اُسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور وہ کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔ یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا) ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"قل إنی أُمرت أن اعبد اللہ مخلصا لہ الدین" (آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے) ایک اور جگہ ارشاد ہے:" قل اللہ أعبد مخلصا لہ دینی فاعبدوا ماشئتم من دونہ" (آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو) ایک جگہ ارشاد ہے: "وما أُمروا إلا لیعبدو اللہ مخلصین لہ الدین" (انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی عبادت کریں، اُسی کے لئے دین کو خالص رکھیں) ایک جگہ ارشاد ہے:"فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین"

(پس تم اللہ ہی کو پکارو دین کو اس کے لئے خالص کر کے) ایک جگہ ارشاد ہے: "وادعوہ مخلصین لہ الدین" (اور تم اسی کو پکارو دین کو اس کے لئے خالص کر کے) یعنی عبادت کو اس کے لئے خالص کر کے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بناؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کو یہ خبر دے دی تھی کہ ان کے یہ باطل معبود شفاعت کے مالک نہیں ہیں اس لئے کہ شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ارشاد ہے: "قل للہ الشفاعة جميعا" (آپ کہہ دیجئے کہ ہر طرح کی شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے) لہذا جس نے غیر اللہ سے شفاعت طلب کی وہ شرک اکبر میں مبتلا ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کو یہ بھی بتایا تھا کہ وہ جن باطل معبودوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں، وہ خود اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے غلبہ و اقتدار کے ماتحت ہیں، وہ ان کی دعاؤں اور پکار کو نہیں سنتے ہیں، وہ ان کی مدد کرنے اور انہیں رزق دینے پر قادر نہیں ہیں، اللہ کو چھوڑ کر جنہیں یہ پکارتے ہیں اُن میں سے جو اللہ کے نیک بندے ہیں وہ خود اللہ کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ جب اصل حقیقت یہ ہے تو پھر یہ مشرکین کیسے اِن غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں؟ "كذٰلك يطبع اللہ على قلوب الذين لا يعلمون" (اِسی طرح اللہ تعالیٰ اِن بے علموں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کے سامنے یہ دعوت پیش کی اور انہیں بتایا کہ دعا، ذبح، نذر، استغاثہ (فریاد) اور توکل صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرنا واجب ہے تو ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور کہنے لگے: "أجعل الآلهة إلها واحدا" (کیا انہوں نے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا)

اس بنا پر جس نے بھی اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے بنائے وہ اُسی شرک میں مبتلا ہو گیا جس میں کفار قریش مبتلا تھے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا، اگرچہ وہ روزہ و نماز کا پابند ہو اور اپنے کو مسلمان سمجھتا ہو۔ کفار قریش اپنی ان بد اعمالیوں اور بد اعتقادیوں کے باوجود خود کو ملت ابراہیمی کا پیروکار سمجھتے تھے، لیکن ملت ابراہیمی کی طرف خالی خولی نسبت کرنے سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ وہ لوگ خیر اور اللہ کی قربت کے حصول کی نیت رکھتے تھے، اس کا بھی انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ وہ لوگ اللہ کی قربت کے حصول کے لئے جو اعمال انجام دیتے تھے ان کا بھی انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: جہاں تک مردہ یا غیر موجود سے مانگنے کی بات ہے، چاہے وہ نبی ہو یا کوئی اور ہو، تو یہ ائمہ مسلمین کے نزدیک متفقہ طور پر حرام کردہ بُرے کاموں میں سے ہے۔ اللہ تعالی اور اس کے رسول نے نہ تو اس کا حکم دیا ہے، نہ کسی صحابی یا تابعی نے یہ کام کیا ہے اور نہ ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اِسے مستحب کہا ہے۔ یہ بات دین اسلام میں ضروری طور پر معلوم بھی ہے۔ صحابہ و تابعین میں سے کوئی بھی پریشانی کے وقت یا کسی ضرورت کے لئے کسی مردہ سے مخاطب ہو کر یہ نہیں کہتے تھے کہ اے میرے آقا! اے فلاں !میں آپ کے حساب میں ہوں یا میری فلاں ضرورت پوری کر دیجئے جیسا کہ یہ مشرکین کہتے ہیں جب یہ مردوں اور غیر موجود میں سے کسی کو پکارتے ہیں۔ نہ کسی صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ سے یا انبیاء میں سے کسی اور سے فریاد کی، نہ ان کی قبروں کے پاس سے اور نہ دور سے، نہ صحابہ کرام انبیاء کی قبروں کے پاس دعا مانگنے کا قصد کرتے تھے اور نہ وہاں پر نماز پڑھتے تھے۔

ابن قیم "اِغاثۃ اللھفان" میں کہتے ہیں: جو شخص قبروں کے تعلق سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اوامر و نواہی، صحابہ کرام کے تعامل اور آج کے اکثر لوگوں کے تعامل کو جمع کرے گا تو وہ دیکھے گا کہ یہ ایک دوسرے کے بر خلاف ہے، ایک دوسرے کے منافی ہے، کیونکہ دونوں میں کوئی توافق وہم آہنگی نہیں ہے۔ انہوں نے قبروں کے ساتھ تعامل کی ایک دوسرے کے بر خلاف شکلوں کو بھی دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

کچھ ایسے لوگ جن کا موجودہ دور کے لوگوں سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، یہ کہہ کر التباس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ کفار قریش پتھروں اور درختوں وغیرہ کو واسطے بناتے تھے لیکن یہ لوگ اللہ کے اولیاء کو واسطے بناتے ہیں، لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ کفار قریش اپنے معبودوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتے ہیں، لیکن ہم لوگ یہ جانتے ہیں کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اولیاء اور صالحین اللہ تعالیٰ کے نزدیک بس واسطے ہیں۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے اپنی باطل شکن کتاب "کشف الشبہات" میں اِس شبہ کا مسکت جواب دے کر اس کے وجود کو مٹا دیا ہے۔ مذکورہ کتاب کی شرح پہلے ہی کی جا چکی ہے۔

**مسئلہ:** قبروں کی طرف متوجہ ہونے والوں کے کئی احوال ہیں:

1۔ اِن میں کوئی قبر والے سے مانگتا ہے اور ان کے مدبر و موثر ہونے کا اعتقاد بھی رکھتا ہے مثلاً وہ یہ کہتا ہے: اے میرے فلاں آقا! میری مدد کیجئے یا مجھے رزق عطا کیجئے یا مجھے بیماری سے صحت یاب کر دیجئے وغیرہ ساتھ ہی وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جسے وہ پکار رہا ہے وہ مستقل طور پر ان چیزوں کا مالک ہے یا وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کچھ کو کائنات میں یا کائنات کی کچھ چیزوں میں تصرف کا حق دیا ہے۔ اس طرح کا اعتقاد غلو پسند روافض اور صوفیاء رکھتے ہیں۔ یہ ربوبیت اور الوہیت میں شرک اکبر ہے۔

2۔ ان میں سے کوئی قبر والے سے اس اعتقاد کے ساتھ مانگتا ہے کہ یہ تدبیر کرنے اور اثر انداز ہونے کے مالک نہیں ہیں، لیکن ان سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ مانگنے والے کی ضرورت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے۔ مانگنے والا اسی کے ساتھ عبادت کی کچھ قسموں مثلاً دعا، ذبح، نذر، تعظیم، توکل اور خوف کو قبر والے کے لئے انجام دیتا ہے تاکہ اس کے پاس مانگنے والے کا کچھ حصہ رہے اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لئے واسطہ بن جائے۔

یہ الوہیت میں شرک اکبر ہے۔ کفار قریش جن کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تھا، اپنے معبودوں کے ساتھ یہی سب کرتے تھے اور بعد کے لوگ بھی عام طور پر ان ہی اعمال کو ان کے حق میں انجام دیتے ہیں جنہیں یہ ولی سمجھتے ہیں۔

3۔ ان میں سے کوئی قبر والے سے اس اعتقاد کے ساتھ مانگتا ہے کہ یہ تدبیر کرنے اور اثر انداز ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں لیکن انہیں امید ہوتی ہے کہ یہ اس کی ضرورت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے۔ یہ مانگنے والا کسی طرح کی کوئی عبادت تو قبر والے کے لئے انجام نہیں دیتا ہے مثلاً وہ یہ کہتا ہے: اے میرے فلاں آقا! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میرے گناہوں کو بخش دے یا مجھے اولاد سے نواز دے۔ وغیرہ۔ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ان قبر والوں کے واسطہ سے دراصل اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے۔

علماء اس پر متفق ہیں کہ مانگنے کی یہ صورت حرام ہے لیکن اس طرح مانگنے کے حکم کے بارے میں ان کا اختلاف ہے کہ آیا یہ شرک اکبر ہے یا شرک اصغر ہے یا یہ ان بدعات کے قبیل سے ہے جو شرک تک نہیں پہنچتی ہیں:

1۔ اس طرح سے مانگنا بدعت ہے، اس لئے کہ یہ ایسا عمل ہے جس کی کوئی منصوص دلیل موجود نہیں ہے۔

2۔ اس طرح سے مانگنا شرک اصغر ہے، اس لئے کہ مانگنے والے نے در حقیقت غیر اللہ کو پکارا، اس نے غیر اللہ سے درخواست کی وہ اس کے لئے اللہ سے دعا کر دے۔ یہ ایسا سبب اختیار کرنے کے قبیل سے ہے جسے شارع نے سبب قرار نہیں دیا ہے۔ یہ اس لئے بھی شرک اصغر ہے کہ یہ دراصل شرک اکبر تک پہنچنے کا ذریعہ ہے بایں طور کہ وہ آگے چل کر قبر والے ہی سے دعا مانگے گا اور اس کے بارے میں دعا قبول کرنے یا تصرف کرنے کا اعتقاد رکھے گا۔

3۔ اس طرح سے مانگنا شرک اکبر ہے، اس لئے کہ یہ غیر اللہ سے دعا مانگنے کے قبیل سے ہے جو کہ اجماعی طور پر شرک اکبر ہے کیونکہ یہ کسی عبادت کو غیر اللہ کے لئے انجام دینا ہے۔ شرعی نصوص میں مردوں سے بلاواسطہ دعا مانگنے اور ان سے دعا کی درخواست کرنے کے لئے انہیں پکارنے کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ یہ دونوں شکلیں مردوں کو پکارنے ہی کی ہیں۔ شرعی نصوص میں یہ صراحت موجود ہے کہ جو نہ سن سکتا ہو نہ دعا قبول کر سکتا ہے، اسے پکارنا شرک اور کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"إن تدعوهم لا يسمعوا دعاءكم ولو سمعوا ما استجابوا لكم ويوم القيامة يكفرون بشرككم" (اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے) اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ خبر دے رہا ہے کہ یہ باطل معبود مشرکین کی پکار کو نہیں سنتے ہیں اور ان کی طلب وضرورت کو پوری نہیں کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کیا ہوگی کہ کوئی شخص مردوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے وہ پکار و فریاد کو سنتے ہیں اور فریاد رسی کرتے ہیں؟!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"ومن أضلُّ ممن يدعو من دون اللهِ من لا يستجيب لهُ إلى يوم القيامة وهم عن دعائهم غافلون وإذا حشر الناس كانوا لهم أعداء وكانوا بعبادتهم كافرين" (اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے)

اس لئے کہ اس انداز سے قبر کا قصد کرنا اس قبر کی تعظیم، اس سے بہت زیادہ امید لگانے اور قبر والے سے تعلق استوار کرنے سے خالی نہیں ہو سکتا ہے اور یہ ساری چیزیں عبادت کی خصوصیات میں سے ہیں۔ یہ فرض کرنا کہ قبر کا قصد کرنے کے ساتھ مذکورہ چیزیں نہیں پائی جائیں گی، ایک ذہنی مفروضہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ظاہر یہی ہے کہ یہ شرک اکبر کے قبیل سے ہے۔ اس کے دلائل پیچھے ذکر کئے جا چکے ہیں۔ نیز اس لئے بھی یہ شرک اکبر کا حصہ ہے کہ اس طرح قبروں کا قصد کرنے میں مردے کی تعظیم، ان کی طرف متوجہ ہونے اور انہیں واسطے بنانے جیسے عوامل شامل ہیں۔ یہ شرک اکبر ہونے کے ساتھ ایسے انجام تک پہنچاتے ہیں جو نہایت سنگین ہیں یعنی قلبی اور عملی عبادات کو ان قبر والوں کے لئے انجام دینا اور ان کے مدبر ہونے کا اعتقاد رکھنا۔ آج یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ واللہ المستعان

شیخ عبد الرحمٰن بن حسن کہتے ہیں: مردے سے شفاعت طلب کرنے میں کئی طرح کی عبادات شامل ہو جاتی ہیں مثلاً غیر اللہ سے مانگنا، اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرنا، اس سے امید لگانا، اس کی طرف راغب ہونا، دل، چہرہ، اعضاء اور زبان سے اس کی طرف متوجہ ہونا۔ یہی وہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔

شیخ عبد الرحمٰن بن حسن "تیسیر العزیز الحمید" میں کہتے ہیں: اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کا حکم اس شخص پر لگایا ہے جو شفاعت کرنے والوں کی عبادت کرتا ہے۔ جس نے صرف شفاعت حاصل کرنے کے لئے انہیں پکارا اس نے ان کی عبادت نہیں کی، لہذا یہ شرک نہیں ہو گا۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ کسی کو سفارشی بنانا ہی شرک ہے۔ سفارشی بنانے کا عمل اور شرک دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اِسی طرح رب تعالیٰ کی تنقیص کا تعلق بھی شرک سے ہے۔ رب کی تنقیص اور شرک ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، چاہے مشرک اسے مانے یا انکار کرے۔ اِس بنا پر یہ سوال ہی اصلاً باطل ہے۔ باہر کی دنیا میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ مشرکین کی ذہنی پیداوار ہے۔ اس لئے کہ دعا عبادت ہے بلکہ یہ عبادت کا مغز ہے۔ جب کسی نے ان سفارش کرنے والے کو پکارا تو اُس نے ان کی عبادت کی اور اللہ کی عبادت میں اُسے شریک بنایا، چاہے وہ تسلیم کرے یا انکار کرے۔ شیخ عبد الرحمٰن بن حسن کی بات ختم ہوئی۔

یہ قول کہ مردے کی طرف متوجہ ہونے کی یہ صورت شرک اکبر نہیں ہے۔ کچھ لوگوں نے اِس قول کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے، اس لئے کہ انہوں نے کئی جگہوں پر ذکر کیا ہے کہ مردے کی طرف متوجہ ہونے کی یہ

صورت بدعات میں سے ہے اور کچھ جگہوں پر یہ کہا ہے کہ یہ شرک تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ انہوں نے بہت سی جگہوں پر یہ صراحت بھی کی ہے کہ یہ شرک اکبر ہے۔ اِس کے بدعت ہونے اور شرک اکبر ہونے کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ شرک بڑی بدعات میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أم لهم شركاء شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به اللہ" (کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں) ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول کہ مردے کی طرف متوجہ ہونا شرک تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اِس سے شرک اکبر مراد لیا ہو مثلاً کوئی مردے کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ تدبیر اور تصرف کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

ابن تیمیہ اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں کہتے ہیں: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصہ ہے کہ وہ دعا جس میں شرک کی آمیزش ہو مثلاً غیر اللہ سے دعا مانگنا کہ وہ یہ کام کر دے یا اس سے یہ دعا کرنا کہ وہ اللہ سے دعا کر دے وغیرہ سے دعا مانگنے والے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے اور نہ اس کے ذریعہ حصول مقصد کی کوئی ضمانت ہے۔

"الدرر السنیۃ" میں منقول ہے: شیخ الاسلام کا قول ہے کہ مردے سے دعا مانگنا شرک ہے چاہے اس سے کوئی کام کر دینے کی درخواست کی جائے یا اس سے اللہ سے دعا کرنے کی درخواست کی جائے۔

"اقتضاء الصراط المستقیم" میں ابن تیمیہ کا یہ قول بھی ہے: مقصد یہ بتانا ہے کہ شرک کا بکثرت ارتکاب کیا گیا ہے۔ یہی حال قبر والوں کو شریک بنانے کا بھی ہے مثلاً ان سے دعا مانگنا، ان کے پاس گڑگڑانا، ان کی طرف راغب ہونا وغیرہ۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے جس میں خالصتاً صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے تاکہ یہ کسی بھی طرح قبر والے کو شریک بنانے کے حکم میں شامل نہ ہو جائے یا اس کی وجہ سے لوگ آگے چل کر قبر والے کو شریک نہ بنانے لگیں تو پھر اس کا کیا حکم ہو گا جبکہ شرک کی ایک قسم باقاعدہ طور پر پائی جا رہی ہو یعنی قبر والوں کی طرف توجہ اور رغبت کرنا، چاہے قبر والوں سے ضروریات کی تکمیل اور مصیبت دور کرنے کی درخواست کی جائے یا ان سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کر دیں۔

ان کا یہ بھی کہنا ہے: میت سے یا غیر موجود انبیاء و صالحین میں سے کسی سے کہا جائے کہ آپ اللہ سے میرے لئے دعا کر دیجئے یا آپ اپنے رب سے میرے لئے دعا کر دیجئے یا آپ ہمارے لئے اللہ سے مانگئے یہ ایسے ہی ہے جیسے نصاری مریم وغیرہ سے دعا مانگتے ہیں۔ کسی عالم کو اس کے بارے میں شک نہیں ہو گا کہ یہ ناجائز ہے اور یہ بدعات میں سے ہے۔ بات ختم ہوئی۔

یہاں پر غور کیجئے کہ کیسے ابن تیمیہ نے اس عمل کو بدعت کا نام دیا ہے جبکہ انہوں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ عمل نصاری کے مریم سے دعا مانگنے کی طرح ہے۔

ان کا یہ بھی قول ہے: جب کوئی شخص یہ کہے کہ میں شیخ کو اس لئے پکارتا ہوں تا کہ وہ میرے لئے سفارشی بن جائیں تو یہ عمل ویسا ہی جیسے کہ نصاری مریم، احبار اورر ہبان سے دعا مانگتے ہیں۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: شرک اکبر کی ایک قسم یہ ہے کہ مردے سے حاجتیں طلب کی جائیں، ان سے فریاد کی جائے اور ان کی طرف توجہ کی جائے۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے شرک کی اصل یہی ہے۔ دنیا سے مردے کے عمل کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ مردہ اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوتا ہے تو پھر فریاد کرنے والے کی مدد کیسے کر سکتا ہے، وہ حاجت روائی کی درخواست کرنے والی کی ضرورت کیسے پوری کر سکتا ہے اور اللہ کے نزدیک کسی کی سفارش کرنے کی درخواست کو کیسے قبول کر سکتا ہے؟

ان کا یہ قول بھی ہے: اِن مشرکین نے معاملہ کو الٹ دیا ہے اور جو دین نہیں اُسے دین بنا دیا ہے۔ اِن لوگوں نے قبروں کی زیارت کا مقصد یہ بنالیا ہے کہ مردہ کو شریک کیا جائے، اسے پکارا جائے اور اس سے دعا کی درخواست کی جائے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ "الدرر السنیۃ "میں کہتے ہیں: جس نے غیر اللہ کو پکارا اور اس سے ایسی چیز طلب کی جس کو دینے پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے مثلاً حصول نفع اور دفع ضرر وغیرہ تو اس نے اللہ کی عبادت میں شریک ٹھہرایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "ومن أضل ممن يدعو من دون اللہ من لا يستجيب لہ إلى يوم القيامۃ و هم عن دعائهم غافلون وإذا حشر الناس كانوا لهم أعداء وكانوا بعبادتهم كافرين" (اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو گا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا نہ قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے) دوسری جگہ ارشاد ہے: "والذين تدعون من دونه ما يملكون من قطمير إن تدعوهم لا يسمعوا

دعاءكم ولو سمعوا ما استجابوا لكم ويوم القيامة يكفرون بشرككم ولا ينبئك مثل خبير " (جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے بلکہ قیامت کے دن تمہارے اِس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبر دار خبریں نہ دے گا)

اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں خبر دی ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے، لہذا جس نے کہا: یارسول اللہ، یاعبداللہ بن عباس، یاعبدالقادر، یامحجوب، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ضرورتوں کو پوری کرادیں گے یا یہ اللہ کے نزدیک سفارشی ہیں یا یہ اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں تو یہ وہ شرک ہے جس کی وجہ سے انسان کا خون بہانا جائز ہو جاتا ہے اور اس کا مال مومن کے لئے مباح ہو جاتا ہے، الا یہ کہ وہ اِس شرک سے توبہ کرلے۔

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن کہتے ہیں: اگر کسی نے کہا: اے اللہ کے ولی! میری سفارش کیجئے تو اِس طرح کا سوال حرام ہے اور مردے سے شفاعت طلب کرنا نصاریٰ کی اِس دعا کی طرح ہے: اے معبود کی والدہ، آپ معبود کے پاس میری سفارش کر دیجئے۔ اِس کے مشرک ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ادر کسی نے اس طرح کا سوال یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کیا کہ یہ مردے اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو یہ اور بھی بڑا اور سنگین قسم کا شرک ہے۔

شیخ ابن باز نے "کشف الشبہات" کی شرح میں اِسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس کے علاوہ جو بات ابن تیمیہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اُس کا انکار کیا ہے۔[1]

غیر اللہ سے شفاعت طلب کی جاسکتی ہے اِس شبہ کی اصل یہ ہے کہ مشرکین اپنے باطل خیال کے مطابق سمجھتے ہیں کہ وہ گنہگار ہیں، ان سے کوتاہیاں ہوتی ہیں، لہذا وہ اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ مانگنے کے لائق نہیں ہیں۔ اس کے بجائے وہ صالحین اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے والے اولیاء کی طرف رخ کرتے ہیں اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اللہ سے ان کے لئے دعا کریں۔

---

(1) بعض علماء یہ فرق کرتے ہیں کہ مردے سے یہ سوال کرنا کہ وہ ان کے گناہوں کو اللہ سے معاف کرادے اور مردے سے پانی پلانے کے لئے سوال کرنا، دونوں کا حکم ایک نہیں ہے۔ کچھ علماء دوسرے سوال کو تو شرک اکبر کہتے ہیں لیکن پہلے سوال کو اِس حکم کے تحت نہیں رکھتے ہیں، یہ تفریق صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

ان لوگوں نے اِس باطل خیال کے مطابق خالق کو مخلوق کے مشابہ سمجھ لیا، کیونکہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عوام الناس کا بادشاہ سے مانگنا مناسب نہیں ہے۔ اس کے بجائے بادشاہ کے خواص ہونے چاہئیں جو لوگوں کی ضرورتوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کریں۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: اگر تم لوگوں نے اللہ اور اس کے مخلوق کے درمیان واسطے بنالئے ہیں جیسا کہ بادشاہ اور اس کے رعایا کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ اور جنہیں واسطہ بنایا ہے وہ مخلوق کی ضرورتوں کو اللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے واسطے سے بندوں کو ہدایت دیتا ہے اور رزق عطا کرتا ہے۔ مخلوق ان واسطوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کے دربار میں جو واسطے ہوتے ہیں وہ بادشاہ سے قربت کی وجہ سے لوگوں کی ضرورتوں کو بادشاہ سے پوری کراتے ہیں۔ لوگ ان واسطوں سے درخواست کرتے ہیں اور بطور ادب بلا واسطہ بادشاہ سے ضرورت پوری کرنے کے لئے نہیں کہتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ واسطوں سے درخواست کرنا بادشاہ سے بلا واسطہ مانگنے سے زیادہ فائدہ مند ہے کیونکہ یہ واسطے مانگنے والوں کی بہ نسبت بادشاہ سے زیادہ قربت رکھتے ہیں۔

جس نے اِس طرح سے اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ بنایا وہ کافر و مشرک ہے۔ اس سے توبہ کرانا واجب ہے۔ اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو ٹھیک ورنہ اُسے قتل کر دیا جائے گا۔

ان کا یہ قول بھی ہے: جس نے اللہ اور بندے کے درمیان واسطے بنائے جیسے کہ بادشاہوں اور رعایا کے درمیان واسطے ہوا کرتے ہیں تو وہ مشرک ہے۔ یہ بتوں کی پرستش کرنے والے مشرکین کا دین ہے۔ اِسی شرک کی وجہ سے اللہ نے نصاریٰ کی مذمت کی ہے۔

سعدی کہتے ہیں: اِن مشرکین نے اُس اخلاص کو ترک کر دیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور سب سے بڑے حرام کام یعنی شرک کے ارتکاب کی جرءت کی۔ وہ ذات جس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے یعنی عظمت والا بادشاہ، اُسے اِن لوگوں نے دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرلیا۔ اِن لوگوں نے اپنی کم عقلی اور کوتاہ نظری کی بنا پر یہ سمجھ لیا کہ جس طرح دنیا کے بادشاہ تک پہنچنے کے لئے بڑے لوگوں، سفارش کرنے والوں اور وزراء کی ضرورت ہوتی ہے جو رعایا کی ضرورتوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح ہے۔ یہ حد درجہ فاسد قیاس آرائی ہے۔ اِس سے خالق و مخلوق کے درمیان مساوات اور برابری لازم آتی ہے جبکہ عقلاً، نقلاً، اور فطرتاً یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خالق و مخلوق کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

بادشاہوں کو اپنے اور رعایا کے درمیان واسطہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ رعایا کے احوال سے واقف نہیں ہوتے ہیں لہذا انہیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو انہیں رعایا کے احوال سے واقف کرائیں۔ رب تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ کائنات کے ظاہری اور باطنی سارے معاملات اس کے دائرہ علم میں ہیں۔ اُسے رعایا اور بندوں کے احوال کی خبر دینے والے کی ضرورت نہیں ہے۔ سعدی کی بات مکمل ہوئی۔

یہاں اس بات سے آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ آج کل قبروں اور مزاروں کا چکر لگانے والے اکثر لوگ مردوں سے صرف دعا مانگنے اور قبر والوں سے دعا ان کے لئے ذبح، نذر، محبت اور خوف ہی پر اکتفاء نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے نفع ونقصان کا مالک ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ نیز یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ ان قبر والوں کی روحوں کو کائنات میں تصرف کرنے کی قدرت حاصل ہے۔ ان کے علاوہ بھی ان کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ربوبیت کی خصو صیات میں سے ہیں۔ اِس کی وجہ سے یہ لوگ شرک میں کفار قریش سے بھی آگے نکل چکے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

شیخ سلیمان بن سحمان کہتے ہیں: عوام الناس مردوں کے تعلق سے جو باتیں کہتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مردوں کے اثر انداز ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔

شیخ حسین نعمی کہتے ہیں: جو مردوں کے بارے میں ایسی بات کہتا ہے اُسے معلوم ہی نہیں ہے کہ عوام الناس میں کیا کچھ رواج پا چکا ہے، مردوں کے پاس اِن کے کرتوت کیا ہیں اور بوسیدہ ہڈیوں کے لئے یہ لوگ کیا اعمال انجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ ان مردوں سے دعائیں مانگتے ہیں، ان سے فریاد کرتے ہیں، ان کی قبروں میں مدفون لاشوں کے پاس ٹھہرتے ہیں، حاجت مندوں کی طرح آواز بلند کرتے ہیں، فاقہ اور مجبوری کا اظہار کرتے ہیں، سمندر کی تاریکی میں ان کی پناہ لیتے ہیں اور بیویوں اور بچوں کے ساتھ ان کے لئے سفر کرتے ہیں۔

**تنبیہ:** یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے جو صورت سے حال بیان کی ہے اس کے شرک اکبر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اس لئے کہ یہ غیر اللہ کے لئے عبادت کو انجام دینا ہے۔ اِسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے اس عمل کے ناقض اسلام ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اِس پر اجماع نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: جس نے فرشتے اور انبیاء کو واسطے بنالئے، جنہیں وہ پکارتا ہے، ان پر توکل کرتا ہے، ان سے فائدہ پہنچانے اور نقصان سے بچانے کی درخواست کرتا ہے مثلاً ان سے

گناہوں کو معاف کرنے، دلوں کو ہدایت دینے، مصیبتوں کو دور کرنے اور فقر و فاقہ کو ختم کرنے کی درخواست کرتا ہے تو اس کے کافر ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

**خلاصہ:** یہ کہ جس نے غیر اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا کہ وہ کائنات کی تدبیر کرتا ہے تو اس نے شرک اکبر کا ارتکاب کیا۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ جس نے کسی عبادت کو غیر اللہ کے لئے انجام دیا اس نے بھی علماء کی متفقہ رائے کے مطابق شرک اکبر کا ارتکاب کیا۔ ساری عبادتوں میں سب سے عظیم الشان عبادت دعا ہے، لہذا جس نے غیر اللہ سے دعا مانگی اس نے شرک اکبر کا ارتکاب کیا۔ بلاشبہ مردوں کو پکارنا دعا کے قبیل سے ہے۔ اس بنا پر غیر اللہ سے دعا کی ہر شکل شرک ہی ہوئی، چاہے غیر اللہ سے بلاواسطہ دعا مانگی جائے یا اس سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ اللہ سے اس کے لئے دعا کرے۔ "کشف الشبہات" کی شرح میں دعا اور ندا کے درمیان فرق سے متعلق شبہ کا جواب دیا جا چکا ہے۔ کسی عقلمند کو اس میں شک نہیں ہو گا کہ قبروں کا قصد کرنے والے راغب دلوں اور جھکے ہوئے خوفزدہ قلوب کے ساتھ قبروں کا قصد کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم یہ وہی دعا ہے جسے صرف اللہ مالک کل کے لئے انجام دینا صحیح ہے۔

یہاں یہ تنبیہ بھی ضروری ہے کہ قبر والوں کو واسطہ بنانے کی کچھ ایسی صورتیں بھی ہیں جو بدعت کے دائرہ میں آتی ہیں مثلاً کچھ لوگوں کا یہ کہنا: اے اللہ! میں تیرے فلاں بندہ کے جاہ و مرتبہ کو واسطہ بنا کر سوال کرتا ہوں یا تو اپنے فلاں بندے کے جاہ و مرتبہ کے طفیل میرے گناہوں کو بخش دے۔ نیز اسی قسم کی دوسری دعائیں۔

علماء نے منصوص طور پر صراحت کی ہے دعا کی یہ شکل نئی ایجاد کردہ بدعات میں سے ہے، یہ ممنوع وسیلہ کی شکل ہے۔ لیکن یہ شرک اکبر نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں غیر اللہ سے دعا نہیں مانگی جا رہی ہے بلکہ غیر ثابت شدہ طریقہ سے اللہ سے دعا مانگی جا رہی ہے۔

## تیسرا ناقض اسلام: جس نے مشرکین کو کافر نہیں گردانا یا ان کے کافر ہونے میں شک کیا یا ان کے مذہب کو صحیح کہا تو ایسا شخص کافر ہو گیا۔

---

مصنف رحمہ اللہ نے اس ناقض کے تحت تین شکلیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ہر شکل ناقض اسلام ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

1۔ جس نے مشرکین کو کافر نہیں گردانا۔

2۔ جس نے مشرکین کے کافر ہونے میں شک کیا۔

3۔ جس نے مشرکین کے مذہب کو صحیح کہا۔

متعدد علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ جس نے اصلی کافر مثلاً یہود و نصاریٰ اور ان کے جیسے دیگر باطل مذاہب کے پیروکاروں کو کافر نہیں گردانا تو وہ کافر ہے اور اس سے بڑا کافر وہ ہے جس نے ان اہل باطل کے مذہب کو صحیح گردانا۔

ایسا اس وجہ سے ہے کہ جس نے اس طرح کا اعتقاد رکھا یا اس طرح کی بات زبان سے نکالی تو اس نے قرآن کی تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين" (جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا) قرآن کی بہت سی آیات میں یہود و نصاریٰ کے کافر ہونے کی منصوص طور پر صراحت آئی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يا أهل الكتاب لم تكفرون بآيات الله وأنتم تشهدون" (اے اہل کتاب تم (باوجود قائل ہونے کے پھر بھی) دانستہ اللہ کی آیات کا کیوں کفر کر رہے ہو؟) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے: "وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارىٰ المسيح ابن الله ذلك قولهم بأفواههم يضاهئون قول الذين كفروا من قبل قاتلهم الله أني يؤفكون" (یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ قول صرف ان لوگوں کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:"لقد كفر الذين قالوا إن اللہ هو المسيح ابن مريم"(یقینی طور پر ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہیں)

ابن حزم کہتے ہیں: یہود و نصاریٰ کو لفظ کفار سے موسوم کرنے پر علماء کا اتفاق ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: یہود و نصاریٰ کفار ہیں۔ یہ بات دین اسلام میں ضروری طور پر معلوم ہے۔

قاضی عیاض کہتے ہیں: اسی لئے ہم ہر اس شخص کو کافر کہتے ہیں جس نے مسلمانوں کے ملت اسلام کو چھوڑ کر کسی اور ملت کی پیروی کی یا دیگر اہل مذاہب کے بارے میں توقف کیا یا ان کے کافر ہونے میں شک کیا یا ان کے مذہب کو صحیح کہا، اگرچہ وہ اس کے ساتھ اسلام کا اظہار کرے، اس کا عقیدہ رکھے اور مذہب اسلام کے سوا سارے مذاہب کے باطل ہونے کا اعتقاد رکھے۔ ایسا شخص کافر ہے کیونکہ اس نے اپنے دعوی کے بر خلاف چیز کا اظہار کیا ہے۔

ہمارے شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں: جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے اور آپ کی تکذیب کرنے والے یہود و نصاریٰ کے کافر ہونے کا انکار کیا اس نے اللہ عزوجل کی تکذیب کی اور اللہ کی تکذیب کفر ہے۔ جس نے ان یہود و نصاریٰ کے کافر ہونے میں شک کیا وہ بلاشبہ کافر ہے۔ بات ختم ہوئی۔

جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ یہاں مصنف رحمہ اللہ کی مراد اصلی کفار ہیں مثلاً یہود و نصاریٰ اور دیگر اہل مذاہب۔

جہاں تک مرتد ہو جانے والے کفار کی بات ہے تو یہ وہ لوگ ہے جو اسلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، اس کے بعض احکام و شعائر پر عمل کرتے ہیں اور زبان سے لا إله إلا اللہ محمد رسول اللہ بھی کہتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ان لوگوں نے کچھ ایسے کام بھی کئے جس نے اس عظیم الشان کلمۂ توحید کی بنیاد کو منہدم کر دیا۔ یا تو اسلام کے منافی بات زبان سے نکالی یا اسلام کے بر خلاف ان کے کچھ اعمال، ارادے اور فاسد اعتقادات سامنے آئے۔ ایسے لوگوں سے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر ان کا کسی ناقض اسلام قول یا عمل میں ملوث ہونا ثابت ہو جائے جبکہ ان کے پاس کوئی معقول عذر بھی نہ ہو تو وہ کافر ہوں گے جبکہ ان کے خلاف حجت قائم کر دی گئی ہو اور اسلام کی صحیح راہ ان کے سامنے واضح کر دی گئی ہو، اگرچہ ایسے لوگ اپنے کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں۔

رہے وہ لوگ جو ایسے لوگوں کو کافر نہیں کہتے، تو اس کا سبب ان پر ان کفار کے معاملہ کا مشتبہ ہونا ہے کیونکہ یہ مرتدین کلمہ لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ بھی زبان سے دہراتے ہیں اور چند اسلامی شعائر پر عمل بھی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی ممکنہ طور پر دو حالتیں ہو سکتی ہیں:

(أ) اگر وہ ان مرتدین کی حالت سے آگاہ ہو اور ان کے تعلق سے شرعی حکم کو جانتا ہو پھر بھی وہ ان کی تکفیر سے بچے تو وہ کافر ہے۔

(ب) اگر وہ ان مرتدین کی حالت سے ناواقف ہو یا ان کے بارے میں شرعی حکم سے ناواقف ہو تو اسے معذور سمجھا جائے گا اور اسے کافر نہیں کہا جائے گا لیکن مرتدین کے تعلق سے شرعی حکم سے اسے واقف کرایا جائے گا۔

ابن تیمیہ باطنی فرقہ کے لوگوں کے کافر ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتے ہیں: جس نے ان لوگوں کی باتوں سے واقف ہونے اور دین اسلام کی حقیقت کو جاننے کے بعد ان کے کافر ہونے میں شک کیا تو وہ کافر ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے کافر ہونے میں شک کرتا ہے۔

شیخ سلیمان بن عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب کہتے ہیں: اگر وہ ایسے لوگوں کے کافر ہونے کے بارے میں شک کرنے والا ہو یا ان کے کافر ہونے کے حکم سے ناواقف ہو تو اس کے سامنے ان کے کفر پر دلالت کرنے والے قرآن و سنت کے دلائل بیان کئے جائیں گے۔ اس کے بعد بھی وہ اگر ان کے کفر میں شک و تردد کرے تو اس کے کافر ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔ اس کی دلیل یہ ضابطہ ہے کہ جس نے کفار کے کفر میں شک کیا وہ کافر ہے۔

یہاں یہ تنبیہ کی جاتی ہے کہ ان مسائل کے درمیان تفریق کرنا ضروری ہے جن میں ملوث ہونے والا کافر ہو جاتا ہے۔ جب کفر سے متعلق حکم متفق علیہ ہو مثلاً دین کا مذاق اڑانا، یا ثابت شدہ اسلامی شعائر میں سے کسی چیز کا انکار یا اللہ، رسول یا دین کو گالی دینا تو ان کاموں میں ملوث ہونے والے کی تکفیر میں توقف کرنا صحیح نہیں ہے۔ رہے کفر کے حکم سے متعلق اختلافی مسائل مثلاً نماز چھوڑنے والے کے کفر کا مسئلہ یا کسی کام کے مذاق و استہزاء ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف وغیرہ تو ان جگہوں پر اس شخص پر کفر کا اطلاق صحیح نہیں جو ان کاموں میں ملوث ہو گیا ہو۔

اسی طرح جب کسی مسئلہ میں عذر کی گنجائش ہو اور کسی نے ایسے لوگوں کی تکفیر میں توقف کیا ہو تو اس پر کفر کا اطلاق جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اس کے حق میں شرعی ذمہ داری ہے کہ اس معاملہ میں توقف کرے۔

دائمی کمیٹی برائے فتاویٰ کا فتویٰ ہے: .....اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موحدین کی جماعت جو قبر پرستوں کو کافر سمجھتی ہے، کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ان موحد بھائیوں کی تکفیر کرے جنہوں نے ان کے کفر کے بارے میں توقف کیا ہے، یہاں تک کہ ان کے خلاف حجت قائم کر دی جائے، اس لئے کہ ان کی تکفیر کے تعلق سے ان کا توقف ایک شبہ کی وجہ سے ہے اور وہ یہ کہ وہ یہ مانتے ہیں کہ ان قبر پرستوں کی تکفیر سے پہلے ان کے خلاف حجت قائم کر دینا ضروری ہے۔ برخلاف ان کے جن کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے مثلاً یہود و نصاریٰ، اشتراکیت (کمیونزم) پر یقین رکھنے والے اور ان کے جیسے دیگر لامذہب و بے دین لوگ۔ ان کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اسی طرح جو انہیں کافر نہ سمجھے اس کے کفر میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے۔

دائمی کمیٹی برائے افتاء و علمی تحقیق کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا تھا کہ جو لوگ یہود و نصاریٰ کو کافر نہیں کہتے ہیں، انہیں صرف اہل کتاب کہتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

کمیٹی کے علماء نے اس کا جواب دیا تھا کہ جس نے یہ بات کہی وہ کافر ہے، اس لئے کہ اس نے قرآن و سنت میں وارد ان کے کافر ہونے کے صریح حکم کی تکذیب کی۔ قرآن میں ان کے بارے میں جابجا اللہ تعالیٰ کے ارشادات موجود ہیں جن سے صریح طور پر ان کے کافر ہونے کا پتہ چلتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يا أهل الكتاب لم تكفرون بآيات الله وأنتم تشهدون" (اے اہل کتاب تم (باوجود قائل ہونے کے پھر بھی) دانستہ اللہ کی آیات کا کیوں کفر کر رہے ہو؟) یہ سورہ آل عمران کی آیت ہے۔ سورہ المائدۃ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "لقد كفر الذين قالوا إن الله هو المسيح ابن مريم" (یقینی طور پر ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہیں) سورہ المائدۃ ہی میں یہ ارشاد بھی ہے: "لقد كفر الذين قالوا إنّ الله ثالث ثلاثة" (وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: اللہ تین میں کا تیسرا ہے) سورہ توبہ میں ارشاد ہے: "وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارىٰ المسيح ابن الله ذلك قولهم بأفواههم يضاهئون قول الذين كفروا من قبل قاتلهم الله أني يؤفكون" (یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ قول صرف ان لوگوں کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں) سورۃ البینہ میں ارشاد ہے: "لم يكن الذين كفروا من أهل الكتاب والمشركين منفكين حتى تاتيهم البينة"

(اہل کتاب کے کافر اور مشرک لوگ جب تک کہ ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آجائے باز رہنے والے نہ تھے) نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:"قاتلوا الذين لا يؤمنون باللہ ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا يدينون دين الحق من الذين أوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون"(ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں مانتے، نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں) ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات میں یہود و نصاریٰ کے کافر ہونے کی صراحت کی گئی ہے۔ توفیق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

دائمی کمیٹی برائے افتاء وعلمی تحقیق

صدر: عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز

نائب صدر: عبد الرزاق عفیفی

رکن: عبد اللہ بن غدیان

**مسئلہ:** اسی بنیاد پر ہمیں یہ معلوم ہے کہ فتنہ کے شکار کچھ لوگ نعرہ لگاتے ہیں کہ وہ یہود و نصاریٰ کے دین کو تسلیم کرنے کے قائل ہیں، اس لئے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ آسمانی ادیان ہیں۔ اس طرح کی بات کہنا کفر صریح ہے، اس لئے کہ یہ قرآن کی تکذیب ہے، چاہے لوگ اسے وحدت ادیان کا نام دیں یا ادیان کے درمیان آپسی قربت کہیں یا اسے دین کی آزادی کا نام دیا جائے یا ان کے علاوہ کچھ اور نام اور عنوان تجویز کیا جائے۔ یہ ایک قدیم دعوت ہے جسے کچھ ملحدین اور زندیقوں نے پیش کیا تھا۔

حلاج کہتا ہے:

تأملتُ في الأديان جدا محققا فألفيتها أصلا له شعب شتى

(میں نے ادیان کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر اور تحقیق کی تو میں نے پایا کہ ان سب کی اصل ایک ہے اور اس اصل کی مختلف شاخیں ہیں۔)

ابن عربی کہتا ہے:

لقد كنت قبل اليوم أنكر صاحبي إذا لم يكن ديني إلى دينه داني

(آج سے پہلے میں اپنے ساتھی پر نکیر کرتا تھا جبکہ میرے اور اس کے دین میں قربت و ہم آہنگی نہیں ہوتی تھی)

رہا مکالمۂ ادیان تو اگر اِس کا مقصد دین اسلام کی حقانیت، دیگر ادیان پر اس کے غلبہ و برتری اور دیگر ادیان کے باطل ہونے کے پہلو کو اجاگر کرنا ہو تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی راہ میں ایک قسم کا جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہل کتاب کے ساتھ اچھے انداز میں مباحثہ کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولا تجادلوا أهل الكتاب إلا بالتي هي أحسن إلا الذين ظلموا منهم" (اور اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو، مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں)

چوتھا ناقض اسلام: جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ ہے جو آپ کے طریقہ سے زیادہ مکمل ہے یا آپ کے علاوہ کسی اور کا فیصلہ آپ کے فیصلہ سے اچھا ہے مثلاً وہ لوگ جو طاغوتوں کے فیصلے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے افضل و بہتر سمجھتے ہیں، ایسا شخص کافر ہے۔

---

مسلمانوں کے نزدیک یہ بات قطعی طور پر تسلیم شدہ ہے کہ بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس حقیقت کو اپنے خطبات میں بیان فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات میں یہ ارشاد فرماتے تھے: " حمد وصلاۃ کے بعد، سب سے اچھی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے۔" (صحیح مسلم)

اِس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام احکام شامل ہیں، چاہے ان کا تعلق عبادات، معاملات، آداب، حدود اور سزاؤں وغیرہ میں سے جن سے بھی ہو۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: مسلمانوں کا اِس پر اتفاق ہے کہ لوگوں کے آپسی اختلاف، چاہے، وہ دینی ہوں یا دنیاوی ہوں، دین کے اصول سے تعلق رکھتے ہوں یا فروع سے تعلق رکھتے ہوں اور ہر قسم کے اختلافی و نزاعی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ماننا اور آپ کے فیصلے کو تسلیم کرنا واجب ہے۔ سارے مسلمانوں کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کے بارے میں کوئی فیصلہ کر دیں تو لوگ آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ بات ختم ہوئی۔

اسلامی شریعت جس کے ساتھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی یہ مطلق طور پر تمام شریعتوں سے زیادہ مکمل، زیادہ اچھی اور زیادہ آسان ہے۔ یہ اللہ کا آخری دین ہے جسے اس نے قیامت تک آنے والے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام ديناً" (آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا) دوسری جگہ ارشاد ہے:"ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين" (جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا) ایک اور جگہ ارشاد ہے:"وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا" (آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے) اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ دین اسلام صرف عبادات کی حد تک ٹھیک ہے تو وہ کافر و مرتد ہے۔

جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ دین اسلام اِس دور کے لئے مناسب نہیں ہے یا وہ موجودہ زمانہ اور انسانی تہذیب کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے تو وہ بلاشبہ کافر ہے۔

جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ پہلے کے کچھ آسمانی قوانین انسانوں کے لئے زیادہ مناسب ہیں یا کچھ خود ساختہ قوانین زیادہ اچھے ہیں تو وہ بلاشبہ کافر۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن الحكم إلا للہ" (حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے) دوسری جگہ ارشاد ہے:"ومن أحسن من اللہ حكما لقوم يوقنون" (یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟)

جو انسانی عقل اسلامی قوانین کی مخالفت کرتی ہے اور غیر اسلامی قوانین کو اچھا سمجھتی ہے وہ ایک کمزور عقل ہے جو فتنہ کا شکار ہو چکی ہے اور راہ ہدایت سے بھٹک گئی ہے۔ جو انسانی دل اسلامی قوانین کی مخالفت کرے گا وہ ایسا دل ہے جسے اوندھا کر دیا گیا ہے۔ شیطان نے اس کے لئے برے کام کو خوشنما بنا دیا ہے لہذا وہ اُسے اچھا سمجھتا ہے۔

اِس طرح کے راہ حق سے منحرف انسانی عقول و قلوب کی وجہ سے اِس دور میں ہم لوگ آزمائش کا سامنا کر رہے ہیں۔ گمراہ کن افکار و نظریات کے حاملین باطل کو لوگوں کے سامنے خوشنما بنا کر پیش کر رہے ہیں اور شبہات و گمراہ کن باتوں کے ذریعہ لوگوں کے سامنے ان کے روشن دین کو مشتبہ بنا دیتے ہیں۔ قرآن کی زبان میں "وإذا قيل لهم لا تفسدوا في

الارض قالوا إنما نحن مصلحون ألا إنهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون" (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبر دار! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور (سمجھ) نہیں رکھتے)

یہ نہایت افسوسناک صورتحال ہے کہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ کچھ مسلم ممالک میں اللہ کے دین کو چھوڑ کر انسانی افکار و نظریات پر عمل کیا جارہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"ومن أحسن من اللہ حكما لقوم يوقنون " (یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟)

مرتد ہونے کا یہ حکم اُس شخص کے بارے میں ہے جو غیر اسلامی طریقہ کو زیادہ مکمل اور اچھا سمجھتا ہے، اگرچہ اُس نے اُسے بطور قانون اختیار نہ کیا ہو اور اس کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو۔ اگر اس نے اُس غیر اسلامی طریقے اور افکار کو بطور قانون اختیار کر لیا، اس کے مطابق فیصلہ کیا، اُسے لوگوں کے سامنے پیش کیا یا پیش کرنے کی اجازت دی تو یہ پہلے سے بھی زیادہ بڑا کفر ہے۔ العیاذ باللہ مثلاً جس نے چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا معطل کر دی یا زناکار کی سنگ ساری کا شرعی حکم منسوخ کر دیا۔ وغیرہ

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کا فیصلہ آپ کے فیصلہ سے زیادہ اچھا، زیادہ مکمل اور لوگوں کی ضرورت کے لئے زیادہ مناسب ہے جبکہ لوگوں کے درمیان تنازع اور اختلاف ابھر کر سامنے آئے۔ یا تو وہ مطلق طور پر ایسا اعتقاد رکھتا ہو یا پھر لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات اور زمانہ میں پیش آنے والے نئے نئے واقعات کے تناظر میں ایسا سمجھتا ہو تو بلاشبہ وہ کافر ہے، اس لئے کہ اس نے مخلوق کے فیصلے کو جو انسانی ذہن کے کوڑا کرکٹ اور کمزور انسانی افکار سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے، اللہ حکیم وحمید کے فیصلے پر مقدم کر دیا۔

شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں: چوتھی قسم (مراد چوتھا ناقض اسلام ہے) میں وہ شامل ہے جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ لوگوں کا بنایا ہوا نظام و قوانین اسلامی شریعت سے افضل ہیں یا دونوں مساوی ہیں یا انسانی قوانین کے مطابق فیصلے کرنا جائز ہے، اگرچہ اس کا یہ اعتقاد بھی ہو کہ اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا افضل ہے۔ یا وہ یہ سمجھتا ہو کہ بیسویں صدی میں اسلامی نظام کا نفاذ صحیح نہیں ہے یا یہ کہ اسلامی نظام ہی مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب ہے، یا وہ دین کو انسان اور اس کے رب کے درمیان تعلقات ہی تک محدود سمجھتا ہو اور انسانی زندگی کے دوسرے گوشے میں دین کی مداخلت کا قائل نہ ہو۔ نیز چوتھی قسم میں وہ شخص بھی شامل ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ چور کے ہاتھ کاٹنے اور شادی شدہ زناکار کو سنگسار کرنے کا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ موجودہ

دور کے لحاظ سے مناسب نہیں ہے۔ نیز چوتھے ناقض اسلام میں ہر وہ شخص داخل ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ معاملات اور سزاؤں وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ کر انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے ذریعہ فیصلے کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ وہ اِسے شریعت کے فیصلے سے افضل نہ سمجھتا ہو۔ اس لئے کہ اس طرح اُس نے اجمالی طور پر اللہ کے حرام کردہ کاموں کو حلال کر لیا اور جس نے بھی اللہ کے حرام کئے ہوئے کاموں کو حلال کر لیا مثلاً زنا، شراب، سود اور اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر دوسرے خود ساختہ قوانین کے ذریعہ فیصلے کرنا، تو اس کے کافر ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر خود ساختہ قوانین کے مطابق فیصلے کرنے کی حکم کے اعتبار سے دو حالتیں ہیں:

**1۔ وہ شرک اکبر ہے۔** اس کی متعدد شکلیں ہیں:

(أ) وہ اللہ کے فیصلے کا منکر ہو۔ اس کے کفر اکبر ہونے پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔

(ب) وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر دوسرے خود ساختہ قوانین کے مطابق فیصلے کرنے کو جائز سمجھتا ہو۔ اس کے کفر اکبر ہونے پر بھی اجماع نقل کیا گیا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: انسان جب متفق علیہ حرام کو حلال کر لے یا متفق علیہ حلال کو حرام کر دے یا متفق علیہ شرعی قوانین کو بدل دے تو وہ فقہا کے متفقہ فیصلے کے مطابق کافر و مرتد ہے۔ ایک قول کے مطابق ایسے ہی شخص کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: "ومن لم يحكم بما أنزل اللہ فأولئك هم الكافرون" (اور جس نے اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کیا تو یہی لوگ کافر ہیں) یعنی جس نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر خود ساختہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کو جائز سمجھ لیا۔

(ج) یہ اعتقاد رکھے کہ خود ساختہ قوانین اللہ کے فیصلے سے افضل اور مناسب ہیں یا دونوں کو ایک جیسا سمجھے۔

(د) یہ اعتقاد رکھے کہ غیر اللہ سے فیصلے کرانا جائز ہے، اگرچہ اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ کا فیصلہ زیادہ اچھا ہے۔

ابن ابی العز حنفی "العقیدۃ الطحاویہ" کی شرح میں لکھتے ہیں: اگر اس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کے نازل کردہ فیصلے واجب العمل نہیں ہیں یا بندہ کو اِس معاملہ میں اختیار ہے چاہے تو شریعت پر عمل کرے یا خود ساختہ قوانین پر عمل کرے۔ یا اسلامی قوانین کی اہانت کرے جبکہ اُسے یہ یقین ہو کہ یہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے تو اس کا یہ عمل کفر اکبر ہو گا۔

(ھ) لوگوں کے لئے ایسے خود ساختہ قوانین بنائے جنہیں وہ اللہ کے فیصلے کو چھوڑ کر حکم بنالیں۔ یہ مسئلہ قانون سازی یا شریعت کو بدلنے یا خود ساختہ قوانین بنانے کی حیثیت سے متعارف ہے۔ اس کی دو حالتیں ہیں:

1۔ اگر شریعت کی یہ تبدیلی اور قانون سازی کلی ہو یا اکثریت کے طور پر ہو یا اس طور پر کہ تمام معاملات یا اکثر معاملات میں اللہ کے فیصلے کو کنارے کر دیا جائے اور غیر اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کو حکم و فیصل مان لیا جائے تو ایسا کرنے والے کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ العیاذ باللہ، اس لئے کہ اِس صورت میں شریعت کی شکل بالکل معدوم ہے۔

2۔ اگر شریعت کی یہ تبدیلی اور قانون سازی کلی نہ ہو، صرف کچھ مسائل و معاملات میں خود ساختہ قوانین کو اختیار کیا گیا ہو، باقی معاملات میں شریعت کے فیصلے پر عمل کیا جارہا ہو تو اس کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے:

(أ) یہ بھی کفر اکبر ہے، کیونکہ اس نے کسی خاص مسئلہ میں شریعت کو تبدیل کر کے غیر شرعی فیصلے کو مستقل طور پر اِس لئے اختیار کیا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ خود ساختہ قانون لوگوں کے حق میں اللہ کے فیصلے سے زیادہ بہتر ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز میں اختلاف کیا ہے جو اس کی خصوصیات میں سے ہے، یعنی حکم دینا اور فیصلے کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "إن الحكم إلا لله " (حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے) لہٰذا شریعت کو تبدیل کو کرنا کفر اکبر ہی ہے۔ شیخ محمد بن ابراہیم اور ہمارے شیخ ابن عثیمین[1] کا بھی یہی موقف ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔

---

(1) ہمارے شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں: ان مسائل کے درمیان فرق ہے جنہیں عمومی قانون سازی کے زمرہ میں رکھا جاتا ہے۔ اِن میں وہ تقسیم نہیں ہوگی جو گزر چکی ہے۔ اِن کا تعلق صرف پہلی قسم سے ہے، اس لئے کہ اِس قانون سازی کرنے والے نے ایسے قوانین وضع کئے جو اسلام کے برخلاف ہیں۔ اس نے یہ سمجھ کر اِس طرح کے خود ساختہ قوانین بنائے کہ یہ اسلامی قانون سے زیادہ مناسب اور بندوں کے لئے زیادہ فائدہ مند ہیں جیسا کہ اس کے بارے میں اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

شیخ نے اِس سے پہلے یہ بات کہی ہے: اِن میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو لوگوں کے لئے ایسے قوانین بناتے ہیں جو اسلامی قوانین کے برخلاف ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اِن غیر اسلامی قوانین کو ایک طرز حیات کے طور پر پیش کرتے ہیں جس پر لوگ چلیں۔ ان لوگوں نے یہ خود ساختہ قوانین اِس لئے بنائے ہیں کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ یہ لوگوں کے لئے زیادہ مناسب اور فائدہ مند ہیں۔ عقلی اور فطری طور پر یہ بات معلوم اور متحقق ہے کہ انسان جب ایک طریقۂ زندگی کو چھوڑ کر اس کے برخلاف ایک دوسرے طرز حیات کو اپناتا ہے تو اس کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ جس طرز حیات کو اس نے اختیار کیا ہے وہ افضل ہے اور جس طرز زندگی سے اس نے انحراف کیا ہے وہ نامکمل ہے۔

ابن تیمیہ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے: انسان جب متفق علیہ حرام کو حلال کرلے یا متفق علیہ حلال کو حرام کرلے یا متفق علیہ شرعی قانون کو بدل دے تو فقہا کے متفقہ فیصلہ کے مطابق وہ کافر و مرتد ہے۔ بات ختم ہوئی۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے شریعت کو کلی طور پر تبدیل کرنے یا اس کے کچھ احکام کو تبدیل کرنے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

**خلاصہ:** شریعت کے بر خلاف قانون سازی کفر اکبر ہی ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: اِس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسی چیز میں مقابلہ آرائی اور نزاع کی کیفیت پائی جارہی ہے جو اس کی خصوصیات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن الحكم إلا لله" (فرمانروائی تو اللہ ہی کی ہے) دوسری جگہ ارشاد ہے: "ألا له الخلق والأمر" (آگاہ رہو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا اللہ کی خصوصیات میں سے ہے)

ابن تیمیہ کہتے ہیں: "ألا له الخلق والأمر" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا پیدا نہیں کرسکتا ہے اُسی طرح اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا حکم بھی نہیں دے سکتا ہے۔ نہ فیصلہ کرسکتا ہے۔ پورا کا پورا دین اللہ ہی کا ہے۔ وہی معبود اور اطاعت کے لائق ہے۔ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ وہ اپنے بنائے ہوئے قانون میں سے جسے چاہتا ہے منسوخ کردیتا ہے۔ کسی غیر اللہ کو یہ حق اور اختیار نہیں ہے کہ وہ شریعت کے کسی جزء کو منسوخ کردے۔

ابن کثیر کہتے ہیں: اللہ ہی خالق اور حاکم ہے۔ وہی تصرف کرنے والا ہے۔ اس نے جس طرح اپنی مرضی کے مطابق انسانوں کی تخلیق کی ہے، جس کو چاہتا ہے نیک بخت بناتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے بد بختی مقدر کردیتا ہے، جسے چاہتا ہے صحت مند رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے مریض بناتا ہے، جسے چاہتا ہے توفیق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے توفیق بنادیتا ہے۔ اِسی

---

شیخ رحمہ اللہ اپنی کتاب "الشرح الممتع" کے باب حکم المرتد (14/409) میں رقم طراز ہیں: جس نے اپنے آپ کو الوہیت یا ربوبیت کے مقام پر فائز کردیا، یعنی اپنے آپ کو شریعت سازی کرنے والا رب بنالیا اور جس نے اِس کام میں اس کی پیروی و موافقت کی وہ مشرک ہے، اس لئے کہ اس نے اُسے شریعت سازی کے معاملہ میں رب کا درجہ دے دیا۔

طرح وہ اپنے بندوں کے تعلق سے اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ جس چیز کو چاہتا ہے حلال کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے حرام کرتا ہے، جس چیز کو چاہے جائز کرتا ہے اور جسے چاہے ممنوع قرار دیتا ہے۔ وہ جو چاہے فیصلہ کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو پیچھے ڈالنے والا نہیں، وہ جو کچھ کرتا ہے اس پر مواخذہ نہیں کیا جاسکتا ہے، ہاں البتہ بندوں سے ضرور مواخذہ کیا جائے گا۔

شیخ محمد امین شنقیطی کہتے ہیں: جب ہر طرح کی شریعت سازی اور تمام شرعی و کونی و قدرتی احکام ربوبیت کی خصوصیات میں سے ہیں جیسا کہ مذکورہ قرآنی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں تو اس کے بعد جس نے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر خود ساختہ قوانین کی اتباع کی تو اس نے اُس خود ساختہ قانون سازی کرنے والے کو اپنا رب بنالیا اور اُسے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔

دوسری وجہ: اِس میں انسانی فیصلہ کو اللہ کے فیصلہ پر مقدم کرنے کی صورت پائی جاتی ہے۔ قانون سازی میں یہ بات ناگزیر ہے، اِس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں شریعت سازی سے تعلق رکھتی ہیں، اگرچہ ایک فیصلہ ہی میں کیوں نہ ہو۔

اِس سے خود ساختہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کی خطرناکی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ شیخ محمد امین شنقیطی کہتے ہیں: ہمارے ذکر کردہ آسمانی نصوص سے یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ خود ساختہ قوانین کی اتباع کرتے ہیں جنہیں شیطان نے اپنے ہمنواؤں کے ذریعہ بنوایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ان قوانین کے بر خلاف ہے جنہیں اس نے اپنے رسولوں (صلی اللہ علیہم وسلم) کی زبانی بندوں تک پہنچایا ہے۔ ایسے لوگوں کے کفر و شرک میں وہی شک کرے گا جسے اللہ نے بصیرت سے محروم کر دیا ہے۔ اور وحی کی روشنی کی طرف دیکھنے سے اسے اندھا کر دیا ہے۔ اِس سلسلہ میں مزید تفصیل و وضاحت کے لئے دیکھئے سعودی عرب کے سابق مفتی شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ کی کتاب "تحکیم القوانین" اور ان کے بعد منصب افتاء پر فائز ہونے والے شیخ عبد العزیز بن باز کے فتاوی کا مجموعہ (ص 977 اور اس کے بعد) جسے شیخ عبد اللہ طیار نے جمع کیا ہے۔

(ب) یہ حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ یہ کفر اصغر ہے، اس لئے کہ اس نے یہ اعتقاد رکھا کہ فیصلہ کرنے کا حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ حق کا مخالف اور اللہ کا نافرمان ہے۔

## 2۔ وہ صورت جو حرام اور کفر اصغر ہے:

وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی خاص معاملہ میں یا کچھ معاملات میں شریعت کے بر خلاف فیصلہ کرے لیکن اس کا یہ اعتقاد ہو کہ شریعت کو حکم و فیصل ماننا واجب ہے اور اکثر معاملات میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے مثلاً کوئی شخص کسی معاملہ میں مال کی لالچ میں یا رشتہ دار کی طرفداری کرتے ہوئے یا خواہش نفس کی بنا پر شریعت کے خلاف فیصلہ کر دے تو یہ فسق اور نافرمانی ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: اگرچہ اِس کی وجہ سے وہ شخص ملت اسلام سے خارج نہیں ہو گا لیکن یہ بہت بڑی معصیت اور زنا، شراب نوشی، چوری، اور جھوٹی قسم جیسے کبیرہ گناہوں سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اللہ نے جس معصیت کو اپنی کتاب میں کفر کہا ہے وہ بہر حال اُس معصیت سے بڑی ہے جسے کفر سے موسوم نہیں کیا ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: اِس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کے واجب ہونے کا اعتقاد نہیں رکھا وہ کافر ہے۔ جس نے لوگوں کے درمیان اپنی صوابدید سے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کو جائز سمجھا اور اپنے لئے اللہ کی نازل کردہ شریعت کی اتباع کو ضروری نہیں سمجھا تو وہ کافر ہے۔ دنیا کی ہر قوم انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی بات کرتی رہی ہے۔ ان کے دین میں انصاف وہ ہوتا ہے جس کی تعیین ان کے اکابر کرتے ہیں بلکہ خود کو مسلمان کہنے والے بہت سے لوگ اپنے قدیم ریت ورواج کے مطابق فیصلے کرتے ہیں جسے اللہ تعالی نے بطور شریعت نازل نہیں کیا ہے مثلاً قدیم دور کے گزرے ہوئے بادیہ نشین لوگ اور ہر سماج وقبیلہ کے سرداروں کے احکامات۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن وسنت کو چھوڑ کر اسی کے مطابق فیصلہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ یہ کفر ہے۔ بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن وہ اپنے قدیم ریت ورواج کے مطابق ہی فیصلے کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں وہ اپنے سربرآوردہ افراد اور سرداروں کا حکم مانتے ہیں۔ یہ لوگ جب یہ جانتے ہیں کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کرنا واجب ہے، اس کے باوجود وہ اس کی پابندی نہ کریں بلکہ شریعت کے بر خلاف فیصلے کرنے کو جائز سمجھیں تو وہ کفار ہیں، ورنہ وہ جہلاء کے زمرہ میں شامل ہوں گے جن کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ "مدارج السالکین" میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "ومن لم يحكم بما أنزل اللہ فأولئك هم الكافرون" (جس نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہی لوگ کافر ہیں) کی تفسیر میں چند اقوال ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا کفر اصغر

اور کفر اکبر دونوں کو شامل ہے۔ فیصلہ کرنے والے کی حالت کو دیکھ کر اس کا فیصلہ کیا جائے گا کہ آیا یہ کفر اصغر ہے یا کفر اکبر ہے۔ اگر وہ کسی خاص واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کو واجب سمجھتا ہو لیکن نافرمانی کرتے ہوئے اس سے انحراف کیا ہو نیز اسے یہ اعتراف ہو کہ اس کی وجہ سے وہ سزا کا مستحق ہے تو اس کا یہ عمل کفر اصغر ہو گا۔ اگر وہ یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے، اسے اس معاملہ میں دونوں طرح کا اختیار ہے، چاہے تو شریعت کے مطابق فیصلہ کرے یا چاہے تو اس سے انحراف کر کے کوئی اور فیصلہ سنائے، ساتھ ہی اسے یقین ہو کہ شرعی حکم اللہ کا فیصلہ ہے تو یہ کفر اکبر ہے۔ اگر وہ شرعی حکم سے ناواقف ہو اور فیصلہ کرنے میں غلطی کر جائے تو وہ خطاکار ہے، اس پر غلطی کرنے والے کا حکم نافذ ہو گا۔

## پانچواں ناقض اسلام: جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں سے کسی چیز کو ناپسند کیا (اگرچہ وہ اس پر عمل کرتا ہو) تو وہ کافر ہو گیا۔

---

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے، بحیثیت رب اس سے راضی ہونے، بحیثیت رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہونے اور بحیثیت دین اسلام سے راضی ہونے کی دلیل و پہچان یہ ہے کہ مومن کا دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے شرعی احکام سے مطمئن بھی ہو اور وہ اسلامی شریعت سے محبت کرتا ہو۔ (اس کے کسی جزء کو ناپسند نہ کرتا ہو) اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اسلامی شریعت ہی عمل کرنے کے لئے مطلق طور پر ہر اعتبار سے مناسب ترین اور مکمل ترین منہج حیات ہے۔

اعتقادی نفاق کی پہچان: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے بغض رکھنا یا جو شرعی حکم اس کی خواہش و مرضی کے خلاف ہو اسے ناپسند کرنا۔ جس کی یہ حالت ہو اس سے ایمان کو مکمل طور پر اٹھا لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما" (سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہر اس شخص کے ایمان کی نفی کی ہے جو شریعت سے راضی و خوش نہ ہو یا شرعی فیصلے سے اس کے دل میں تنگی و ناخوشی پیدا ہو یا وہ شرعی فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: دین سے راضی و خوش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کہہ دیں یا کوئی فیصلہ کر دیں یا کوئی حکم دے دیں یا کسی بات سے منع کر دیں تو مومن اس سے مکمل طور پر راضی و خوش ہو۔ اس کے

دل میں آپ کے فیصلہ سے کوئی تنگی محسوس نہ ہو اور وہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، اگرچہ وہ فیصلہ اس کے دل کے مراد، خواہش نفس یا اس کے شیخ ومُقَلَّد (جس کی تقلید کی جائے) کے قول اور اس کی جماعت کے موقف کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ بات ختم ہوئی۔

رسولوں پر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے بغض رکھنا اور اسے ناپسند کرنا کفار اور منافقین کی صفت ہے۔

کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بل جاء هم بالحق وأكثر هم للحق كار هون" (بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار کے پاس حق لے کر آئے، ان میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنے والے ہیں)

سعدی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: چونکہ رسول حق لے کر آئے تھے اور یہ کفار اصلاً حق کو ناپسند کرنے والے تھے اس کی وجہ سے انہوں نے لازمی طور پر حق کی تکذیب کی۔ ان لوگوں نے شریعت میں شک کرنے اور رسول کو جھٹلانے کے سبب ایسا نہیں کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فإن هم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون" (سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں) اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ حق ان کفار کی خواہشات کے مطابق کیوں نہ ہوا تاکہ یہ لوگ ایمان لے آتے اور اطاعت و فرمانبرداری میں جلدی کرتے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: "ولو اتبع الحق أهواءهم لفسدت السماوات والأرض" (اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے تو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی خواہشات ظلم، کفر، اخلاقی بگاڑ اور عملی انحراف پر مبنی ہیں، لہذا اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا تو زمین و آسمان سب درہم برہم ہو کر رہ جاتے، کیونکہ ظلم و ناانصافی کا عادی ہونے کی وجہ سے ان کے سارے تصرفات اور ان کی ساری تدبیریں فساد و بگاڑ کا شکار ہیں۔ حق اور انصاف کی وجہ سے آسمان اور زمین اپنی جگہ برقرار ہیں اور ایک نظام کے تحت منظم طور پر کام کر رہے ہیں۔ آگے ارشاد فرمایا: "بل أتيناهم بذكرهم" (حق تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت پہنچادی ہے) یعنی ہم نے انہیں یہ قرآن پہنچادیا ہے جو انہیں ہر قسم کے خیر و بھلائی کی یاد دہانی کرتا ہے، یہ قرآن ان کے لئے سرمایۂ افتخار اور عزت و سربلندی کا ذریعہ ہے جب کہ یہ اس پر عمل کرنے والے بن جائیں۔ وہ اس قرآن کے ذریعہ لوگوں کی سیادت و قیادت کے مستحق بن سکتے ہیں۔ آگے ارشاد فرمایا: "فهم عن ذكرهم معرضون" (لیکن وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں) اس کا سبب ان کی بدبختی اور بے توفیقی ہے۔ بات ختم ہوئی۔

ان ہی کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:"والذين كفروا فتعسا ل هم وأضلّ أعمال هم ذلك بأن هم كر هوا ما أنزل الله فأحبط أعمال هم"(اور جو لوگ کافر ہوئے انہیں ہلاکی ہو، اللہ ان کے اعمال غارت کر دے گا، یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے، پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) ان کے اعمال ضائع کر دیئے) یعنی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو ناپسند کیا تو ان کے اعمال برباد ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:"ولا يأتون الصلاة إلّا و هم كسالي ولا ينفقون إلّا و هم كار هون" (اور بڑی کاہلی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں) دوسری جگہ ارشاد ہے:"فرح المخلفون بمقعدهم خلاف رسول الله وكر هوا أن يجاهدوا بأموال هم وأنفس هم في سبيل الله"(پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرنا ناپسند رکھا)

ان آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں سے کسی چیز کا انکار کیا تو اس نے ایسے کفر کا ارتکاب کیا جو اسے ملت اسلام سے خارج کر دے گا۔ العیاذ باللہ

ہمارے شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں: جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو ناپسند کیا یا کسی اسلامی شعار کو ناپسند کیا یا اطاعت کے کسی کام کو ناپسند کیا جسے لوگ دین اسلام میں عبادت سمجھ کر انجام دیتے ہیں تو وہ کافر ہے، دین اسلام سے خارج ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:"ذلك بأن هم كر هوا ما أنزل الله فأحبط أعمال هم"(یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) ان کے اعمال ضائع کر دیئے) صرف کفر ہی اعمال کی بربادی کا سبب ہے۔ جس نے نماز کی فرضیت کو ناپسند کیا وہ کافر ہے، اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو۔ جس نے زکاۃ کی فرضیت کو ناپسند کیا وہ کافر ہے، اگرچہ وہ زکاۃ دیتا ہو۔ لیکن جس نے ناپسندیدگی کے بغیر کسی شرعی حکم کو بوجھ سمجھا تو یہ اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے لیکن اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ جس نے کسی چیز کو بوجھ سمجھا اور جس نے کسی چیز کو ناپسند کیا، دونوں میں فرق ہے۔ بات ختم ہوئی۔

**تنبیہ:** وہ ناپسندیدگی جو انسان کو ملت اسلام سے خرج کر دیتی ہے وہ عمومی تشریع کی ناپسندیدگی ہے، یعنی کسی چیز کو شرعی حکم کی حیثیت سے ناپسند کرنا کفر ہے۔ اگر وہ کسی حکم شرعی کو اس لئے ناپسند کر رہا ہے کہ اس پر عمل کرنے میں مشقت و

پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً جہاد یا مال خرچ کرنا یا حج کرنا یا نماز پڑھنا یا وہ خواہشات نفسانی سے مغلوب ہونے کی وجہ سے گانے بجانے، شراب نوشی، زناکاری اور سود خوری وغیرہ کو پسند کرتا ہو تو وہ ملت اسلام سے خارج نہیں ہو گا لیکن یہ اس کے کمزور ایمان کی دلیل ضرور ہو گی۔

جس نے اسلامی جہاد کی مشروعیت کو اس لئے ناپسند کیا کہ اس کی وجہ سے قوموں کے درمیان عداوت پروان چڑھتی ہے نیز اس سے انسان کے اختیار کی آزادی پر قدغن لگتی ہے تو وہ ملت اسلام سے خارج ہو گیا۔ ہاں البتہ اگر وہ بوجھ سمجھ کر یا قتل ہونے کے ڈر سے جہاد کے لئے نکلنے کو ناپسند کرتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہو گا لیکن یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر اپنے ایمان کو مضبوط کرے۔

اگر کوئی عورت تعدد ازدواج کے اسلامی شعار کو ناپسند کرتی ہے اور اسے عورتوں کے حق میں ظلم سمجھتی ہے یا اسی طرح کی کوئی اور منفی بات اس کے ذہن میں ہو تو اس کی وجہ سے وہ ملت اسلام سے خارج ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ اپنے شوہر کی دوسری شادی کو اس لئے ناپسند کرتی ہو تا کہ وہ اسے اپنے لئے خاص کر لے اور شوہر کی محبت و توجہ کی تنہا مالک بنی رہے تو اس کا یہ عمل حرام بھی نہیں ہو گا چہ جائیکہ اسے کفر کہا جائے۔ اس لئے کہ اس طرح کی سوچ عورتوں کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔

باقی اسلامی شعائر کے بارے میں بھی اسی طرح کی بات کہی جائے گی۔

چھٹا ناقض اسلام: جس نے اللہ کے دین یا اس کے ثواب یا عذاب میں سے کسی چیز کا استہزاء کیا تو وہ کافر ہو گیا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "قل أباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزئون لا تعتذروا قد کفرتم بعد إیمانکم" (کہہ دیجئے کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ، یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے)

---

ایمان کی علامات اور صدق دلی کی پہچان یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرے، اس کی کبریائی کا اعتراف کرے، اس کے دین سے محبت کرے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و توقیر کرے۔

مومن بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إنما المؤمنون الذین إذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم وإذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم إیمانا" (بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں)

کفر و نفاق کی پہچان یہ ہے کہ انسان دین اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتا ہے اور صراحتاً یا اشارہ و کنایہ میں ان کا استہزاء کرتا ہے۔

کافروں کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا حسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول إلا کانوا بہ یستھزئون" ((ایسے) بندوں پر افسوس! کبھی بھی کوئی رسول ان کے پاس نہیں آیا جس کی ہنسی انہوں نے

نہ اڑائی ہو) کافروں کے بارے میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: "ولقد أرسلنا من قبلك في شيع الأولين وما يأتيهم من رسول إلا كانوا به يستهزؤن" (ہم نے آپ سے پہلے اگلی امتوں میں بھی اپنے رسول (برابر) بھیجے اور (لیکن) جو بھی رسول آتا وہ اس کا مذاق اڑاتے) ایک اور جگہ ارشاد ہے: "ولقد استهزئ برسل من قبلك" (آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے)

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "وإذا لقوا الذين آمنوا قالو آمنا وإذا خلوا إلى شياطينهم قالوا إنا معكم إنما نحن مستهزؤن" (اور جب اِیمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اِیمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں)

علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ کے رسولوں یا اس کی کتابوں یا اس کے دین کا مذاق اُڑایا اُس نے کفر کیا اور وہ ملت اسلام سے خارج ہو گیا، چاہے اس نے اِس قبیل کی کوئی بات سنجیدگی کے ساتھ کہی ہو یا مذاقاً کہی ہو، صراحتاً کہی ہو یا اشارتاً کہی ہو، اس لئے کہ اس کا یہ عمل واجب تعظیم کے سراسر منافی ہے۔

ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ بات نص سے ثابت ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ یا اس کے کسی فرشتے یا اس کے کسی نبی یا قرآن کی کسی آیت یا کسی دینی فریضہ (یہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں) کا مذاق اُڑایا جبکہ حجت اس کے پاس پہنچ چکی ہو تو وہ کافر ہے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: جس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی اس نے کفر کیا، چاہے اس نے مذاقاً گالی دی ہو، یا سنجیدگی کے ساتھ یہ برا عمل کیا ہو۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ کسی نے اللہ تعالیٰ یا اس کی نشانیوں یا اس کے رسولوں یا اس کی کتابوں کا مذاق اُڑایا۔

تیسیر العزیز الحمید میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ یا اس کی کتاب یا اس کے دین کا مذاق اُڑایا اس نے کفر کیا، اگرچہ اُس نے مذاقاً و تفریحاً ایسا کیا، حقیقت میں اس نے مذاق اُڑانے کی نیت نہ کی ہو۔ اِسی پر سب کا اجماع ہے۔

سعدی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ اِس کی وجہ سے مذاق اڑانے والا دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اصل دین کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اس کے دین اور اس کے رسولوں کی تعظیم پر ہے۔ اِن میں سے کسی بھی چیز کا مذاق اڑانا اصل دین کے منافی ہے اور دین کی سخت خلاف ورزی ہے۔

ہمارے شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں: جس نے اللہ تعالیٰ یا اس کی تکوینی یا شرعی نشانیوں یا اس کے رسولوں کا مذاق اڑایا تو وہ کافر ہے اس لئے کہ اِن چیزوں کا مذاق اڑانا ایمان کے سخت منافی ہے۔ جس چیز پر وہ ایمان لا چکا ہے کیسے وہ اس کا مذاق اڑا سکتا ہے؟! نبی پر ایمان لانے والے پر اس کی تعظیم ضروری ہے۔ اس کے دل میں نبی کے شایان شان تعظیم کا ہونا واجب ہے۔ (اس کے بغیر ایمان کی تکمیل ہی نہیں ہو گی) کفر دو طرح کا ہوتا ہے؛ ایک کفر اعراض اور دوسرا کفر مخالفت۔ اللہ اور اس کے رسولوں وغیرہ کا مذاق اڑانے والا کافر ہے، اس نے کفر مخالفت کا ارتکاب کیا۔ بات ختم ہوئی۔ مصنف رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: "قل أباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن لا تعتذروا قد کفرتم بعد إیمانکم" (کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ، یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے)

ابن جریر وغیرہ نے ہشام بن سعد عن زید بن اسلم کی سند سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع سے ایک شخص نے ایک مجلس میں کہا: ہم نے قرآن کے قاریوں جیسے لوگ نہیں دیکھے جو پیٹ بھرنے کی رغبت میں سب سے آگے، زبان کے سب سے جھوٹے اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت سب زیادہ بزدل ہیں۔ مسجد ہی میں ایک شخص نے جواب دیا: تم نے جھوٹ کہا، تم منافق ہو، ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس سے ضرور مطلع کریں گے۔ چنانچہ یہ بات رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اور اِس کے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: جس نے یہ بات کہی تھی میں نے اُسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے پچھلے حصہ سے لٹکا ہوا دیکھا، پتھر اُسے زخمی کر رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم لوگ بس ہنسی کھیل کر رہے تھے اور اللہ کے رسول اُسے جواب دے رہے تھے: "أ باللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن لا تعتذروا قد کفرتم بعد إیمانکم" (اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ، یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے)

اللہ تعالیٰ نے مذاق اڑانے والوں کو کافر کہا ہے جبکہ دو چیزیں پائی جا رہی تھیں:

1۔ ایک ان کا عذر پیش کرنا۔

2۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم نے اِس بات کے ذریعہ تنقیص کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ یہ ایک سرسری بات تھی جو سفر کی تکان دور کرنے کے لئے تفریحاً کہی گئی تھی جیسا کہ کچھ روایتوں میں صراحت آئی ہے۔ (1)

اس دین کے استہزا میں وہ چیز بھی شامل ہے جس کا ہم آج کے دور میں کچھ منافقین کی جانب سے بطور آزمائش سامنا کررہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی ناولوں میں ذات باری تعالیٰ کی تنقیص کرتے ہیں۔ ان کے لکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ اشارات ہیں اور ادبی فنون کی چیزیں ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اِسی طرح کچھ اخبارات میں ایسے مقالات شائع کئے جاتے ہیں جن میں بعض دینی شعائر مثلاً حجاب، داڑھی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دینداری کی عیب جوئی کی جاتی ہے۔ اِن اخبارات میں ہاتھ سے بنائی گئی ایسی تصویریں بھی شائع کی جاتی ہیں جن میں کچھ اسلامی شعائر کو مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

یہ سارے وہ کام ہیں جن سے ارتداد لازم آتا ہے۔ ایسا کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے اِن بے دینوں پر شرعی حد کا نفاذ واجب ہو جاتا ہے، چاہے کسی ڈرامہ میں دین کا مذاق اڑایا گیا ہو یا کسی تحریر یا ہاتھ سے بنائی گئی کسی تصویر وغیرہ میں دینی شعائر کو تمسخر کا نشانہ بنایا گیا ہو۔

**مسئلہ:** گالی دینے والا حکم کے اعتبار سے مذاق اڑانے والے کی طرح ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا دین کو یا قرآن کو یا نماز کو گالی دی وہ کافر ہے، اس نے اللہ عظیم کے ساتھ کفر کا ارتکاب کیا۔ اُسے ارتداد کے جرم میں قتل کرنا واجب ہے، الا یہ کہ وہ توبہ کرلے۔ متعدد علماء نے اِس پر اجماع نقل کیا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قل أ باللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن لا تعتذروا قد کفرتم بعد إیمانکم" (اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم

(1) "کشف الشبہات" کی شرح میں اِن لوگوں کے احوال سے متعلق کلام گزر چکا ہے۔ صحیح قول کے مطابق وہ منافقین تھے۔

بہانے نہ بناؤ، یقیناً تم اپنے اِیمان کے بعد بے ایمان ہو گئے ) یہ آیت اِس حکم کے لئے نص ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کی آیتوں اور اس کے رسول کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ لہذا اِن سب کو قصداً گالی دینا بدرجہ اولیٰ کفر ہو گا۔

ابن تیمیہ "الصارم المسلول" میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کو گالی دینا ظاہری یا باطنی ہر اعتبار سے کفر ہے، چاہے گالی دینے والا اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو یا اسے جائز سمجھتا ہو، چاہے اس کی حرمت سے بے خبر ہو۔ یہ فقہاء اور اُن تمام اہل سنت کا مسلک ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے۔

امام ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم حنظلی جو ابن راہویہ سے معروف ہیں، امام شافعی اور امام احمد کے ہم پلہ امام ہیں، کہتے ہیں: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی یا اللہ کے نازل کردہ احکام میں سے کسی حکم کا انکار کیا یا اللہ کے نبیوں میں سے کسی نبی کو قتل کیا تو وہ اِس کی وجہ سے کافر ہو گیا، اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کا عمومی طور پر اقرار کرتا ہو۔

ہمارے شیخ یوسف غفیص کہتے ہیں: کبھی کچھ معاصرین واضح مسائل میں اشکال کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ یا اس کے نبی کو گالی دینے کا مسئلہ۔ کچھ لوگ اس مسئلہ میں غیر ضروری طور پر مباحثہ کرتے ہیں اور اعتقاد کے شرط ہونے یا نہ ہونے کی بات کرتے ہیں۔ یہ سب بے جا تکلف ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا کفر ہے۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کو گالی دینے والے کی تکفیر نہیں کی وہ مرجئہ کے مسلک پر ہے۔ اس لئے کہ مرجئہ اللہ اور رسول کو گالی دینے والے کو کافر کہتے ہیں۔ ابو المعاصی جوینی جو مرجئہ اشعریہ میں سے ہیں اور رازی وغیرہ نے اِس پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ اللہ اور نبی کو گالی دینا کفر ہے۔ مسلمانوں میں کوئی اِس رائے کا مخالف نہیں ہے۔ کبھی کچھ اشکال گالی کی کچھ شکلوں کو لیکر ہوتا ہے۔ لوگ اس وجہ سے تردد کا شکار ہوتے ہیں کہ آیا گالی دینے والے کو یہ معلوم بھی تھا کہ جو بات اس نے زبان سے نکالی ہے وہ گالی کے قبیل سے ہے یا قرآن کی جس آیت کے بارے میں اس نے نازیبا بات کہی اس کے بارے میں اسے علم تھا کہ یہ قرآن کی آیت ہے؟۔ کچھ لوگ اِسی قبیل کے اشکالات مناظرہ و مباحثہ میں پیش کرتے ہیں۔ اس طرح کے مسائل میں لوگوں کا بہت زیادہ مشغول رہنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مسائل محکمات میں سے ہیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ جس نے کسی عقل رکھنے والے انسان سے بات کی اور اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علہ وسلم کو گالی دے دی تو وہ اس کی وجہ سے یقینی طور پر کافر ہو گا۔ اگر وہ شخص بیہوشی کی حالت میں ہو یا عقل و

خرد سے بیگانہ ہو یا اسی طرح کی کوئی حالت ہو جو عام طور پر پیش آجاتی ہے تو یہ عقلی و شرعی طور پر بدیہی بات ہے کہ اِن حالات میں بندہ قابل مواخذہ نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ کسی پر کافر ہونے کا حکم اُسی وقت لگایا جائے گا جبکہ کفر کے صدور کے وقت یا کفر ہونے کا حکم لگانے کے وقت بندہ مکلف بھی ہو۔

**مسئلہ:** تمام انبیاء کو گالی دینا حکم کے اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کی طرح ہے۔ ابن تیمیہ نے اس پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: یہ انبیاء کی خصوصیات میں سے ہے کہ جس نے کسی نبی کو گالی دی اُسے قتل کیا جائے گا۔ یہ ائمہ کا متفقہ فیصلہ ہے۔ ایسا شخص مرتد شمار ہو گا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کسی نبی اور اس کی لائی ہوئی شریعت کا انکار کر دے تو وہ مرتد ہو گا۔ اس لئے کہ ایمان اُسی وقت مکمل ہو گا جبکہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا جائے۔

ان کا یہ قول بھی ہے: تمام انبیاء کو گالی دینے کا حکم وہی ہے جو ہمارے نبی کو گالی دینے کا حکم ہے۔ جس نے معروف انبیائے کرام میں سے نام لیکر کسی نبی کو گالی دی مثلاً وہ انبیاء جن کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے یا وہ جو نبوت سے متصف ہیں مثلاً کوئی یہ بیان کرے کہ ایک نبی نے یہ کام کیا یا ایک نبی نے یہ بات کہی، پھر کوئی شخص اس نبی کو جس نے کوئی عمل کیا یا کوئی بات کہی، گالی دے دے جبکہ اُسے معلوم ہو کہ یہ نبی ہیں، اگرچہ وہ اس نبی کے نام سے واقف نہ ہو یا وہ مطلق طور پر جو بھی انبیاء کے زمرہ میں ہیں انہیں گالی دے تو اس کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ اس لئے کہ تمام انبیاء پر عمومی طور پر ایمان لانا واجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کے قصے اور احوال اپنی کتاب میں بیان کئے ان پر بطور خاص ایمان لانا واجب ہے۔ انہیں کوئی مسلمان گالی دیتا ہے تو یہ کفر اور ارتداد ہے اور اگر کوئی ذمی گالی دیتا ہے تو یہ جنگ کی دعوت ہے۔

ساتواں ناقض اسلام: جادو ہے اور اِسی قبیل سے کسی کی محبت سے دل موڑنا اور کسی کی طرف دل کو مائل کرنا بھی ہے۔ جس نے یہ کام کیا یا اس سے راضی ہوا اُس نے کفر کیا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:"وما يعلمان من أحد حتى يقولا إنما نحن فتنة فلا تكفر" (وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک جادو نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر)

---

سحر سے مراد جھاڑ پھونک، عزائم اور اعمال ہیں جو اللہ کی لکھی ہوئی تقدیر اور اجازت سے انسانی قلب، عقل اور جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔[1]

جادو اصلاً اللہ کی ذات کے ساتھ کفر کرنے سے وجود میں آتا ہے۔ شیاطین جادوگر کی اطاعت اُسی وقت کرتے ہیں جبکہ وہ اللہ کے ساتھ کفر یا شرک کا ارتکاب کریں مثلاً مصحف شریف کی اہانت کرے یا نماز چھوڑ دے یا غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرے۔ وغیرہ

جادوگر کے کافر ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:" وما كفر سليمان ولكن الشياطين كفروا يعلمون الناس السحر" (سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے) جب جادو سکھانے والا کافر ہے تو جو کچھ اس نے سکھایا وہ بھی کفر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:"إنما نحن فتنته فلا تكفر" (ہم تو

---

(1) جادو کی صورتوں کے اختلاف و کثرت کی وجہ سے اِس کی بہت سی دوسری تعریفیں بھی کی گئی ہیں۔

ایک آزمائش ہیں، تو کفر نہ کر) ایک اور جگہ ارشاد ہے: "مالہ في الآخرة من خلاق" (اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں)

ان مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ جس نے جادو سیکھا اس نے کفر کیا، اگرچہ اس نے جادو کو عملی طور پر استعمال نہ کیا ہو۔ جو شخص بھی جادو سے راضی ہوا یا اس کا ساتھ دیا یا اپنے اہل وعیال کو جادو سیکھنے یا کرنے کی اجازت دی یا اس سلسلہ میں کسی بھی طرح ان کی ہمت افزائی کی تو اس نے کفر کیا اور ملت اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس لئے کہ اس نے کفر کو پنپنے کا موقع دیا اور اس سے راضی ہوا۔

یہاں اس بات سے آگاہ رہنا ضروری ہے کہ یہ حکم ہر اس شخص پر منطبق ہو گا جس نے شیاطین کے راستہ سے جادو کا استعمال کیا۔ جہاں تک ان لوگوں کی بات ہے جو دواؤں، گولیوں اور تمباکو وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں یا جو لوگ دجل وفریب اور ہاتھ کی صفائی سے لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں یا جادو کا کھیل دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں تو یہ لوگ فساق کے زمرہ میں ہیں۔ انہیں سزا دینا ضروری ہے۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں ان کی پشت پناہی جائز نہیں ہے۔ علم غیب کا دعویٰ کرنے کی صورت میں یہ لوگ کفر تک پہنچ جائیں گے۔

کتاب التوحید کی شرح میں یہ بات گزر چکی ہے کہ شعبدہ بازی کے قبیل کے ان تمام کاموں کو لغوی مفہوم کی رعایت کرتے ہوئے جادو کہا جاتا ہے۔ حقیقی جادو کا عمل شیاطین کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اس لئے اس طرح کا حقیقی جادو صرف اور صرف کفر ہوتا ہے۔

تیسیر العزیز کے مولف کہتے ہیں: تحقیق کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں اقوال کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جس نے جادوگر کو کافر نہیں کہا یہ خیال کرتے ہوئے کہ جادو شرک کے بغیر انجام پاتا ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ شیاطین کی طرف سے جادو کا عمل شرک کے ذریعہ ہی انجام پاتا ہے..... دواؤں اور سگریٹ نوشی کی سحر انگیزی حقیقی جادو نہیں ہے۔ اگر اسے جادو کہا جاتا ہے تو مجازاً ہی کہا جاتا ہے جیسے کہ فصیح وبلیغ کلام اور چغل خوری کو جادو کا نام دیا جاتا ہے۔ دواؤں اور تمباکو نوشی کے ذریعہ سحر انگیزی بھی نقصاندہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اس کا ارتکاب کرنے والے کو مناسب سزا دی جائے گی۔

شیخ امین شنقیطی کہتے ہیں: جادو گر کی تکفیر کے مسئلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ اس میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر جادو اس قبیل کا ہو جس میں ستارے و جن و غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے جو انسان کو کفر تک پہنچاتا ہے تو جادو کا ایسا عمل بلا اختلاف کفر ہے۔ ہاروت و ماروت کا جادو بھی اسی قبیل کا تھا جس کا تذکرہ سورۃ البقرۃ میں آیا ہے۔ یہ بلا اختلاف کفر ہے۔ اور اگر ایسا جادو ہو جس سے کفر لازم نہ آتا ہو مثلاً کچھ چیزوں کے خواص سے مدد حاصل کرنا جن کا تعلق روغنیات وغیرہ سے ہوتا ہے تو یہ جادو شدید حرمت کا حامل ہے لیکن اس طرح کا عمل کرنے والے کو کفر تک نہیں پہنچاتا ہے۔ علماء کے درمیان اس مختلف فیہ مسئلہ میں یہی تحقیقی بات ہے۔ ان شاء اللہ۔ بات ختم ہوئی۔

اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ جادو کی حقیقت ہے، اس لئے کہ اسے سیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جادو کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہ شوہر و بیوی کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جادو کیا گیا، پھر اس جادو کے اثر کو زائل کیا گیا۔

معتزلہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جادو چاہے جیسا بھی ہو ایک خیالی چیز ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ جادو کی دو قسمیں ہیں؛ ایک حقیقی، دوسرا خیالی۔[1]

---

(1) ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے: جادو کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ خیالی چیز ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ شافعیہ میں سے ابو جعفر استر اباذی، حنفیہ میں سے ابو بکر رازی، ظاہریہ میں سے ابن حزم اور ایک جماعت کا یہی موقف ہے۔

نووی کہتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ جادو کی حقیقت ہے۔ جمہور نے قطعی طور پر یہی بات کہی ہے۔ عام علماء کا یہی موقف ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور ثابت شدہ مشہور احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ بات ختم ہوئی۔

اختلاف اس میں ہے کہ جادو کی وجہ سے آنکھ پلٹ جاتی ہے اور انسان کو حقیقت کے برخلاف چیزیں نظر آنے لگتی ہیں یا ایسا نہیں ہے؟ جو لوگ جادو کے خیالی چیز ہونے کے قائل ہیں وہ جادو کی وجہ سے آنکھ کے پلٹنے کا انکار کرتے ہیں اور جو لوگ جادو کی حقیقت کو مانتے ہیں ان کا اختلاف اس میں ہے کہ کیا جادو کی صرف یہی تاثیر ہے کہ اس کے اثر سے انسان کا مزاج تبدیل ہو جاتا ہے اور انسان اس کی وجہ سے مریض ہو جاتا ہے یا جادو ایک چیز کو دوسری مختلف النوع چیز میں تبدیل کر دیتا ہے مثلاً جامد چیز کو حیوان بنا دیتا ہے یا حیوان کو جامد چیز میں تبدیل کر دیتا ہے؟ جمہور اول الذکر تاثیر کے قائل ہیں اور ایک مختصر جماعت دوسری تاثیر کی قائل ہے۔

حقیقی اور خیالی جادو کے درمیان فرق یہ ہے کہ حقیقی جادو کے اثرات انسانی عقل، قلب اور جسم وغیرہ پر محسوس کئے جاتے ہیں۔ خیالی جادو کا معاملہ اس کے برخلاف ہے۔ یہ انسان پر بلاواسطہ اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔ اس کے اثرات وہمی ہوتے ہیں۔ یہ نظر کا دھوکہ ہوتا ہے۔ انسان جو چیز دیکھ رہا ہوتا ہے حقیقت اس کے برخلاف ہوتی ہے۔

کتاب التوحید کی شرح میں جادو اور اس کی اقسام، اس کے حکم، جادوگر کے حکم، جادوگر کے پاس جانے والے کا حکم اور جادو سے متعلق دیگر مسائل کے تعلق سے تفصیلات گزر چکی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ قول (منہ: الصرف والعطف) اس کا مطلب ہے دل کو کسی کی محبت سے پھیر نا یا دوسرے کی محبت کی طرف مائل کرنا۔ اسی کو (التولۃ) کہا جاتا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "غیر شرعی جھاڑ پھونک، تعویذ اور دلوں کو پھیر نا یا مائل کرنا شرک ہے۔" ائمہ محدثین احمد،

---

جادو کی تاثیر کے معاملہ میں اگر قدرت الٰہی کو دخیل مانا جائے تو پھر جادو کی تاثیر مُسَلَّم ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ جادو بذات خود واقع ہوتا ہے، اس میں قدرت الٰہی کا دخل نہیں ہوتا تو اس میں اختلاف ہے، اس لئے کہ بہت سے لوگ جو اس طرح کا دعویٰ کرتے ہیں اسے دلیل سے ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔ خطابی نے نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے مطلق طور پر جادو کا انکار کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ خطابی کی مراد ان لوگوں سے ہے جو جادو کو صرف ایک خیالی چیز مانتے ہیں، ورنہ مطلق طور پر جادو کا انکار کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

= مازری کہتے ہیں: جمہور علماء جادو کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک حقیقت ہے۔ کچھ علماء نے جادو کی حقیقت کی نفی کی ہے، ان لوگوں نے جادو کے اثرات کو باطل خیالات کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ موقف مردود ہے، اس لئے کہ جادو کے اثبات میں نصوص موجود ہیں اور اس لئے بھی کہ عقل اس کا انکار نہیں کرتی ہے کہ جب جادوگر حق و باطل کے آمیزش والے کلام کو زبان سے ادا کرتا ہے یا جسموں کو آپس میں ملاتا ہے یا خاص ترتیب کے مطابق طاقتوں کو آپس میں ملاتا ہے تو اللہ تعالیٰ خلاف فطرت چیزوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اسے بطور مثال یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جب ماہر اطباء کچھ دواؤں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے ہیں تو جو دوا اپنے آپ میں مضر ہوتی ہے دوسری دوا کے ساتھ ملنے کی وجہ سے نفع بخش ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جادو کی تاثیر بس اسی حد تک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے کہ "یفرقون بہ بین المرء وزوجہ" (وہ لوگ جادو کے ذریعہ شوہر و بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرتے ہیں) یہ بات ڈرانے اور خوف پیدا کرنے کے سیاق میں کہی گئی ہے، لہذا اگر جادو کی تاثیر اس سے زیادہ ہوتی تو اسے یہاں پر بیان کیا گیا ہوتا۔

مازری کہتے ہیں: عقلی طور پر یہ صحیح ہے کہ جادو کی تاثیر اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے جو آیت میں بیان کی گئی ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ آیت اضافی تاثیر کے انکار کے لئے نص نہیں ہے، اگرچہ ہم کہیں کہ آیت سے بظاہر یہی تاثیر معلوم ہوتی ہے۔

ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، ذھبی نے ان کی تائید کی ہے۔ شیخ ابن باز کے بقول: اس کی سند میں کوئی عیب نہیں ہے۔ شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم کی روایت میں آیا ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے "التولۃ" کی وضاحت بھی کی۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ اے ابو عبد الرحمٰن! جھاڑ پھونک اور تعویذ سے تو ہم لوگ واقف ہیں لیکن "تولۃ" کیا ہے؟ انہوں نے کہا: عورتیں اپنے شوہروں کے دلوں میں اپنی محبت ڈالنے کے لئے کچھ کرتی ہیں، یہی "تولۃ" ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے جادو کی اس قسم کو بصراحت اس لئے ذکر کیا ہے کہ یہ معاشرہ میں پھیلا ہوا ہے یا اس وجہ سے کہ کچھ اسے جادو میں شمار نہیں کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

یہاں یہ آگہی ضروری ہے کہ اگر دلوں کو پھیرنے یا مائل کرنے کا عمل شیطان کی مداخلت سے ہو تو وہ شرک ہے اور اگر اس خیال سے ہو کہ کچھ مادوں کے اندر دل کو مائل کرنے یا پھیرنے کی تاثیر ہوتی ہے تو یہ شرک اصغر کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ اس میں ایک غیر ثابت شدہ چیز کو بطور سبب اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی مثال وہ نامراد و بے توفیق لوگ ہیں جو خاص قسم کی انگوٹھیاں یہ کہہ کر فروخت کرتے ہیں کہ یہ محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

آٹھواں ناقض اسلام: مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی پشت پناہی اور ان کا تعاون کرنا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:"ومن يتولهم منكم فإنه من هم إن الله لا يهدي القوم الظالمين" (تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بیشک ان ہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہر گز راہ راست نہیں دکھاتا)

---

مشرکین کا ساتھ دینے اور ان کی پشت پناہی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کی جائے۔ یہاں مظاہرہ، معاونت کے معنی میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"وما له منهم من ظهير "(ان میں سے کوئی ان کا مدد گار نہیں ہے) یعنی آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں کسی نے اللہ کی مدد نہیں کی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:"ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا"(اگرچہ یہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں) یہاں ظہیر، معین (مددگار) کے معنی میں ہے۔

مظاہرہ (پشت پناہی) موالات کی ایک قسم ہے۔ کچھ اسے "تولی" کہتے ہیں۔ یہ موالات کی سخت ترین قسم ہے۔

یہ ان باریک مسائل میں سے ہے جس کے حکم کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ علماء نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی ہر طرح کی مدد کو ارتداد کہا ہے جس کی وجہ سے انسان دین سے خارج ہو جائے گا، اگرچہ ضرورتاً مدد کی ہو، اس لئے کہ دین کی حفاظت سب سے بڑی ضرورت ہے۔[1] ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد:"ومن يتولهم منكم فإنه من هم" (تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بیشک ان ہی میں سے ہے) کے عموم سے استدلال کیا ہے۔

---

(1) چاہے وہ میدان جنگ میں مشرکین کے ساتھ شانہ بشانہ شرکت ہو یا ہتھیاروں سے ان کی مدد کی جائے یا انہیں مشورے دیئے جائیں یا ان کی کامیابی کے لئے راہ ہموار کی جائے وغیرہ۔ اگرچہ کسی ضرورت کے تحت ایسا کیا گیا ہو۔ شیخ سلیمان بن عبد اللہ کہتے ہیں: کافروں سے دوستی اور مومنوں کے خلاف ان کی مدد کے معاملہ میں مسلمان کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو گا۔ توحید کا مفاد ہر چیز سے زیادہ

کچھ علماء نے مشرکین سے دوستی کی چند شکلیں اور حالتیں متعین کی ہیں، ان میں سے دوستی کی کچھ شکلوں کو ملت سے خارج کرنے والی کہا ہے۔ اس سے مراد مشرکین کے ساتھ دینی دوستی ہے تاکہ کفار کا دین غالب آجائے۔ بلاشبہ یہ دوستی انسان کو ملت سے خارج کر دینے والی ہے۔ یہ منافقین کی صفت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے: "ألم تر إلى الذين نافقوا يقولون لإخوانهم الذين كفروا من أهل الكتاب لئن أُخرجتم لنخرجن معكم ولا نطيع فيكم أحدا أبدا وإن قوتلتم لننصركم" (کیا تو نے منافقوں کو نہ دیکھا کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلاوطن کئے گئے تو ضرور بالضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے۔ اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے)

اگر کفار و مشرکین سے دوستی کسی دنیوی مفاد کے لئے ہو جبکہ دوستی کرنے والا کفار کے دین سے نفرت کرتا ہو اور کفار کے غلبہ و اقتدار کا خواہشمند نہ ہو تو اس طرح کی دوستی و محبت کی وجہ سے وہ ملت اسلام سے خارج نہیں ہو گا، لیکن یہ معصیت اور کبیرہ گناہ ہو گا۔ علماء نے اس کے لئے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جنہوں نے مشرکین قریش کو ایک خط ارسال کر کے یہ خبر دی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ واضح طور پر کفار کی مدد و پشت پناہی تھی، پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مرتد ہونے کا حکم نہیں لگایا تھا۔

ہمارے مشائخ میں سے شیخ عبد الرحمٰن براک اور شیخ صالح فوزان نے اسے اختیار کیا ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر براک حفظہ اللہ سے کسی نے سوال کیا: آپ کے علم میں لانے کے لئے یہ عرض کر رہا ہوں کہ میں نے آپ کے زیر نگرانی "مسائل العذر بالجھل" کے نام سے موسوم ایک کتاب پڑھی تھی۔ میں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے مابین جنگ میں کفار کی مدد اس وقت کفر کے دائرہ میں آتی ہے جبکہ مدد کرنے والے کی خواہش ہو کہ کفار کا دین غالب آجائے یا اسے کفار کے دین سے محبت ہو۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ حمیت و غیرت اور

---

امت کے حق میں عزیز ہونا چاہئے اور شرک کا فساد سب سے بڑا فساد ہے جسے امت سے دور کیا جانا چاہئے، لہذا مومنوں کے خلاف کفار کی مدد کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے چاہے اس کی وجہ سے کتنے ہی بڑے دنیاوی فائدے کی امید ہو مثلاً مال (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)
= یا حکومت و ریاست کی حفاظت وغیرہ۔ بلکہ جان کی حفاظت کے لئے بھی یہ کام جائز نہیں ہو گا، کیونکہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ کفار کی مدد کفر اور دین سے ارتداد ہے۔

دنیوی مفاد کے لئے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کفار کا ساتھ دینا کفر نہیں ہے جس سے انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیا کتاب سے میں نے جو یہ سمجھا ہے وہ صحیح ہے؟ کیا اہل سنت میں سے کسی نے اس طرح کی بات کہی ہے؟ کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کرنے والے کی تکفیر کے تعلق سے اوپر جو شرط بیان کی گئی ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ، وبعد:

اس میں شک نہیں کہ کچھ مسلمانوں کے خلاف کچھ کافروں کی مدد کرنے کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی اس طرح کی مدد کا سبب اسلام سے بغض و نفرت ہوتا ہے، کبھی اس کا سبب کسی فائدہ کی خواہش یا کوئی نقصان پہنچنے کا ڈر ہوتا ہے۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے دین سے محبت کرنے والا اور اسلام و مسلمانوں سے بغض رکھنے والا دونوں برابر نہیں ہوسکتے ہیں۔ (کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی دنیوی فائدہ کچھ مسلمانوں کے خلاف کچھ کفار کی مدد کرنے پر کسی کو آمادہ کرتا ہے) مظاہرہ یا معاونۃ کے لفظ کے ساتھ کوئی نص موجود نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ کفار کی مطلق مدد کفر کا باعث ہے۔

یہ جاسوس جو مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرتا ہے، اگرچہ بطور سزا اُسے قتل کرنا ضروری ہو جاتا ہے تاہم وہ صرف جاسوسی کرنے کی وجہ سے مرتد نہیں ہوگا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ انہوں نے ایک عورت کے ذریعہ کفار قریش کو یہ خبر بھجوائی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاطب رضی اللہ عنہ کے اِس عمل اور نامہ بردار عورت کے معاملہ سے آگاہ کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حاطب رضی اللہ عنہ کی سرزنش کی۔ انہوں نے اِس کے لئے عذر پیش کیا کہ انہوں نے صرف اِس چاہت کی وجہ سے ایسا کیا تھا کہ قریش میں کچھ لوگ اس کے حمایتی بن جائیں اور مکہ میں ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب کی حفاظت کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول کر لیا تھا اور انہیں اپنے اسلام کی تجدید کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اس موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سبب بھی بیان کر دیا تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حاطب رضی اللہ عنہ کے گناہوں کو معاف کر دیا ہے اور وہ جنگ بدر میں ان کی شرکت ہے۔ یہ مشرکین مکہ کی بہت بڑی مدد تھی، لہذا یہ کہنا کہ مطلق طور پر کفار کی مدد (کسی بھی طرح کے حالات میں) ارتداد ہے، مذکورہ واقعہ سے بظاہر ایسا معلوم نہیں ہوتا ہے۔ مدد کمیت و کیفیت

میں ایک دوسرے سے متفاوت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "یا أیھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری أولیاء بعضھم أولیاء بعض ومن یتولھم منکم فإنه منھم إن اللہ لا یھدي القوم الظالمین" (اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بیشک ان ہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہر گز راہ راست نہیں دکھاتا) اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ کفار سے کسی بھی طرح کی دوستی موجب کفر ہے۔ دوستی کے کئی درجے ہوتے ہیں جیسے کہ کفار سے مشابہت کے کئی درجے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے: " جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان ہی میں سے ہے۔" امام احمد اور امام ابو داود نے اِس روایت کو نقل کیا ہے۔ یہ بات معلوم و متحقق ہے کہ ہر مشابہت کفر نہیں ہوتی ہے۔ اِسی طرح ہر دوستی کفر نہیں ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کتاب کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اُس میں وارد تفصیل میرے نزدیک صحیح ہے۔ واللہ اعلم

شیخ صالح فوزان کہتے ہیں: کوئی شخص مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد کرتا ہے اور وہ صاحب اختیار ہے، مجبور نہیں ہے، اِسی کے ساتھ وہ کفار کے دین سے نفرت کرتا ہے اور اس سے راضی و خوش نہیں ہے تو اِس میں شک نہیں کہ اس نے ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کے کفر میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر وہ کفار کے دین کو ناپسند نہ کرتا اور ان سے دلی محبت کر رہا ہوتا تو اس پر کفر کا حکم لگ جاتا، اس لئے ایسے شخص کا ایمان سخت خطرہ میں ہے۔

ان کا یہ قول بھی ہے: دوستی اور تعلق کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ دوستی جو کفار کے دین سے محبت کرنے کی وجہ سے ہو۔ یہ کفر ہے، اِس کی وجہ سے انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

دوسری قسم: دنیاوی لالچ کی وجہ سے کفار سے دوستی رکھنا جبکہ ان کے دین سے نفرت کرتا ہو۔ یہ حرام ہے لیکن کفر نہیں ہے۔ ان کی بات ختم ہوئی۔

سعدی اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں کہتے ہیں: "یا أیھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری أولیاء بعضھم أولیاء بعض ومن یتولھم منکم فإنه منھم إن اللہ لا یھدي القوم الظالمین فتری الذین في قلوبھم مرض یسارعون فیھم یقولون نخشیٰ أن تصیبنا دائرة فعسی اللہ

أن يأتى بالفتح أو أمر من عنده فيصبحوا على ما أسروا في أنفسهم نادمين ويقول الذين آمنوا أهؤلاء الذين أقسموا بالله جهد أيمانهم إنهم لمعكم حبطت أعمالهم فأصبحوا خاسرين"

(اے ایمان والو! تم یہود و نصاری کو دوست نہ بناؤ، یہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک ان ہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہر گز راہ راست نہیں دکھاتا۔ آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے۔ یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے، پھر تو یہ دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر (بے طرح) نادم ہونے لگیں گے اور ایمان والے کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے)

اللہ تعالیٰ اِن آیات میں یہود و نصاری کے احوال بیان کرنے کے بعد اور ان کی بری صفات کو ذکر کرنے کے بعد اپنے مومن بندوں کی رہنمائی کر رہا ہے کہ وہ یہود و نصاری کو دوست نہ بنائیں۔ وہ خود آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کے خلاف آپس میں متحد رہتے ہیں، لہذا تم انہیں اپنا دوست نہ بناؤ۔ حقیقت میں وہ تمہارے دشمن ہیں، وہ تمہارے نقصان کی پرواہ نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ تمہیں گمراہی کے راستہ پر ڈالنے کی ہر ممکنہ حد تک کوشش کرتے ہیں، جو ان کے جیسا ہو گا وہی ان سے دوستی کرے گا، اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ومن يتولهم منكم فإنه من هم" (تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک ان ہی میں سے ہے) اس لئے کہ مکمل دوستی ان کے دین کو اپنانے کا موجب بنتی ہے، معمولی تعلق و دوستی زیادہ گہرے تعلقات اور دوستی کا پیش خیمہ بنتا ہے، پھر دھیرے دھیرے ان ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔[1]

"إن الله لا يهدي القوم الظالمين" (ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہر گز راہ راست نہیں دکھاتا) یعنی ظلم کرنا جس کی سرشت ہو وہ ظلم ہی کی طرف واپس پلٹتے ہیں اور اُسی پر انحصار کرتے ہیں، اگر آپ ان کے پاس کوئی بھی آیت لے کر جائیں تو

---

(1) شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسن بن عبد الوہاب نے اس آیت اور اس پر ہونے والے شبہ کے تعلق سے اسی سے ملتی جلتی بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں: سنت نے اِس آیت کی تفسیر کی ہے، اِسے مقید کیا ہے اور اِسے مطلق و عام موالات کے ساتھ خاص کیا ہے۔ (الدرر السنیۃ (1/474))

وہ آپ کی بات نہیں مانیں گے اور نہ آپ کی اتباع کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے سے منع کرنے کے بعد یہ خبر دی ہے کہ ایمان کے دعویداروں کا ایک گروہ اِن سے دوستی رکھتا ہے۔ فرمایا: "فترى الذين في قلوبهم مرض" (آپ دیکھیں گے جن کے دلوں میں بیماری ہے) یعنی جن کے دلوں میں شک، نفاق اور ایمان کی کمزوری ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اِن سے دوستی کرنا ضرورت کے تحت ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے، یعنی کہیں مسلمانوں کو شکست ہو جائے تو اس کا نقصان ہمیں بھی اٹھانا پڑ جائے۔ یعنی جب یہود و نصاری کو مسلمانوں پر فتح حاصل ہو گی تو دوستی کی وجہ سے ان میں ہماری تائید و حمایت کرنے والے کچھ لوگ ہوں گے جو ہمیں دوستی کا اچھا بدلہ دیں گے۔ یہ منافقین کا اسلام کے تعلق سے بد ظنی کا اظہار تھا۔ اللہ تعالی نے ان کے اِس برے خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: "فعسى الله أن يأتي بالفتح" (بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالی (مسلمانوں کو) فتح دے دے) اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اسلام کو یہود و نصاری کے خلاف عزت و سربلندی عطا کرے اور مسلمان ان پر غالب آجائیں۔ "أو أمر من عنده" (یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے) جس کی وجہ سے منافقین کافر یہود وغیرہ کی فتح و کامرانی سے مایوس ہو جائیں۔ "فيصبحوا على ما أسروا في أنفسهم نادمين" (پھر یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی بات پر نادم ہوں) یہ ندامت اس بات پر ہو گی جسے انہوں نے اپنے دلوں میں چھپایا اور یہ ندامت اپنے اس نقصان پر ہو گی جس میں انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، کیونکہ فتح تو مسلمانوں کی ہوئی، اللہ نے اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی مدد کی اور کفر اور کافروں کو ذلت سے دوچار کیا جس پر یہ منافقین نادم ہوئے اور انہیں وہ غم واندوہ حاصل ہوا جس کی حقیقت سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے۔ سعدی کی بات ختم ہوئی۔

قرآن مجید کی آیات میں غور و تدبر کرنے والا یہ آگہی حاصل کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ دوستی گانٹھنے کو ایک سنگین معاملہ کے طور پر بیان کیا ہے اور ایسے انسان کی چند ایسی صفات کا تذکرہ کیا ہے جن کا ایک ساتھ جمع ہو جانا کفر اکبر پر دلالت کرتا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

جس نے کفار سے دوستی رکھی وہ ان ہی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن يتولهم منكم فإنه من هم" (تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک ان ہی میں سے ہے)

کفار سے دوستی رکھنا منافقین کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فترى الذين في قلوبهم مرض يسارعون فيهم" (آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں)

کفار سے دوستی کرنے والے کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور وہ خسارہ اٹھانے والا بن کر رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"حبطت أعمالهم فأصبحوا خاسرين" (ان کے اعمال برباد ہو گئے جس کی وجہ سے خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہو گئے)

کفار سے دوستی کرنے والا مرتد ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"يا أيها الذين آمنوا من يرتد منكم عن دينه" (اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے)

جس نے کفار سے دوستی کی اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء" (اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں)

کافر کے ساتھ دوستی اور اللہ، اس کے رسول اور اس کی نازل کردہ شریعت پر ایمان ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"ولو كانوا يؤمنون بالله والنبي وما أنزل إليه ما اتخذوهم أولياء" (اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر اور جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے)

شیخ لطف اللہ خوجہ کہتے ہیں: قرآن مجید میں کفار سے دوستی کرنے والوں کے جو برے اوصاف بیان کئے گئے ہیں کہ ایسا کرنے والے انہی میں سے ہیں، ان کے اعمال برباد ہو گئے، وہ خسارہ اٹھانے والوں میں ہیں، وہ دین سے پھر جانے والے ہیں، اللہ، نبی اور شریعت پر ایمان نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ منافقین کا عمل ہے۔ اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ کفار سے دوستی کفر کے درجہ کا گناہ ہے جو انسان کو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ صرف کبیرہ گناہ نہیں ہے۔ اگر یہ سارے برے اوصاف کبیرہ گناہ پر دلالت کرتے تو پھر کفر کے لئے کونسی صفات ہوں گی؟!

مومن کے خلاف کافر کی مدد کے گناہ کو اگر عملی کفر کے خانہ میں نہیں رکھا جائے گا جبکہ ہر طرح سے اِس کی سخت اور صریح وعید موجود ہے اور یہ حکم ایک ظاہری عمل پر لگایا گیا ہے جس کا سب کو علم ہے تو پھر کوئی بھی عمل عملی کفر کے دائرہ میں نہیں آئے گا۔ اس طرح کا ہر عمل کفر اعتقادی ہی کہلائے گا۔ یہی مرجئہ کا موقف ہے۔ بات ختم ہوئی۔ اِس زیر بحث مسئلہ میں شیخ لطف اللہ خوجہ کے علمی و تحقیقی مقالہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے جس کا عنوان ہے:"حكم النصرة : دراسة لنصوص الولاء واستخراج حكم النصرة من دلالاتها"۔ واللہ اعلم

**مسئلہ:** ایک اہم مسئلہ جس پر قرآن نے روشنی ڈالی اور بتکرار اُسے بیان کیا ہے، ولاء و براء (دوستی اور براءت) کا مسئلہ ہے۔ قرآن میں بہت سی جگہوں پر اِسے توحید سے جوڑ کر بیان کیا گیا ہے اور اِسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں یعنی انبیاء و رسل اور ان کے سچے متبعین کی صفت کے طور پر بیان کیا ہے۔ اِن حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ولاء و براء بندہ کے ایمان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان کی دوستی اہل ایمان کے ساتھ ہو اور مومنوں کے دشمنوں سے اظہار براءت کی جائے۔ ابن قیم کہتے ہیں: مومنوں کے ساتھ رشتۂ اخوت و موالات استوار کرنے کے لئے مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ لاتعلقی اور بغض و عداوت ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "ایمان کی سب سے مضبوط کڑی یہ ہے کہ تم اللہ کے لئے محبت کرو اور اللہ کے لئے بغض رکھو۔" یہ امام احمد کی نقل کردہ روایت ہے۔ شیخ البانی نے اِسے حسن کہا ہے۔

ولاء کی اصل محبت ہے اور براء کی اصل بغض ہے۔ پھر اِن دونوں کے دائرہ میں آنے والے چند اعمال ہیں۔

مومنین کے ساتھ ولاء (دوستی) کا مطلب یہ ہے کہ ان سے محبت کی جائے، ان سے رحمدلی کا معاملہ کیا جائے، ان کے لئے دعا کی جائے، ان کی خیر خواہی کی جائے، ان سے ملاقات کی جائے، ان کی مدد کی جائے، ان کے مردہ کے ساتھ تدفین کے لئے چلا جائے۔ وغیرہ

کفار سے اظہار براءت کی یہ چند صورتیں ہیں جو شریعت میں منصوص طور پر وارد ہیں: مسلمان اور کافر کے درمیان وراثت کا تعلق منقطع ہو گا، دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے، اگرچہ کتنا ہی قریبی رشتہ ہو۔ کفار کے ساتھ نکاح اور شادی بیاہ کا تعلق نہیں ہو گا، ہاں البتہ مسلمان کتابیہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن مسلمان عورت کسی اہل کتاب سے نکاح نہیں کرے گی۔ کفار کو حرم مکی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، کفار کے ملک میں قیام کی ممانعت ہے، الا یہ کہ کوئی سخت ضرورت ہو، مسلمانوں کے علاقہ کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے اور کفار سے جہاد واجب ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب آجائے۔

شریعت نے کفار کا سہارا لینے، ان کی طرف جھکاؤ، ان کی تعظیم اور مختلف طریقہ سے ان کے ساتھ دوستی رکھنے کو سنگین معاملات کے زمرہ میں رکھا ہے۔ ان میں سے تعلقات کی کچھ صورتوں کو ملت اسلام سے خارج ہونے کا سبب بتایا ہے۔ اسے منافقین اور ان لوگوں کی صفت قرار دیا ہے جن کے دلوں میں بیماری ہے۔

کفار سے یہ دوری مسلمانوں کی اولین نسل یعنی صحابہ کرام کی زندگی میں بہت شاندار انداز میں نظر آتی ہے۔ ان لوگوں نے اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مکمل طور پر تعمیل کی۔ اسی بنا پر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر یا احد میں اپنے والد کو قتل کیا، مشہور منافق عبد اللہ بن ابی کے بیٹے عبد اللہ نے اپنے باپ کو قتل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی جبکہ منافق ابن ابی نے یہ کہا تھا کہ ہم میں جو باعزت ہے وہ ذلیل کو مدینہ سے یقینی طور پر نکال دے گا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے بیٹے عبد الرحمٰن کو دعوت مبارزت دی تھی، وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، مسلمانوں کی صف سے علی بن ابی طالب، حمزہ بن عبد المطلب اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم نے جنگ بدر میں اپنے بنی اعمام عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو دعوت مبارزت دی تھی اور انہیں قتل کیا تھا، لہذا ولاء (دوستی) صرف اہل ایمان سے ہوگی۔ دائرہ اسلام میں آجانے کے بعد رشتہ داری اور قبیلہ و وطن کا تعلق باقی نہیں رہا، اب صرف ایمان کا رشتہ باقی رہا۔ عرب مسلمان عجمی مسلمان کا بھائی ہے۔ اس معاملہ میں ایمان لانے کے بعد شریف و کمتر سب برابر ہیں۔ ایمان انہیں ایک لڑی میں پرو دیتا ہے اور کفر انہیں ایک دوسرے سے علاحدہ کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیت نازل کی: "ولا تمسكوا بعصم الكوافر" (اور کافر عورتوں کے ناموس اپنے قبضہ میں نہ رکھو) تو مسلمانوں نے اپنی کافر بیویوں کو طلاق دے دی۔ اس دن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو طلاق دی تھی۔

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی کئی نوعتیں ہیں۔ موالات کے مسئلہ میں ان کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے:

1۔ دلی محبت: مسلمان کا کافر سے دلی محبت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا ہے۔ حقیقی مسلمان وہ ہے جو اللہ کی محبت کے ساتھ چلتا اور اسے ہر چیز پر مقدم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لا تجد قوماً يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادّون من حاد الله ورسوله ولو كانوا أباءهم أو إخوانهم أو عشيرتهم" (اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہر گز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے (قبیلے) کے (عزیز) ہی

کیوں نہ ہوں) دوسری جگہ ارشاد ہے: "یا أی ها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء تلقون إلی هم بالمودّة" (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور (خود) اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو) ایک اور جگہ ارشاد ہے: "یا أی ها الذین آمنوا لا تتولوا قوماً غضب الله علی هم" (اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے) ایک جگہ ارشاد ہے: "ولو کانوا یؤمنون بالله والنبي وما أنزل إلیه ما اتخذو هم أولیاء ولکن کثیرا من هم فاسقون" (اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر اور جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے، لیکن ان میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں)

انسان صرف فطری محبت میں معذور ہوتا ہے جسے دل سے جدا کرنا ممکن نہیں ہوتا مثلاً مسلمان باپ کی محبت کافر بیٹے سے اور مسلمان بیٹے کی محبت کافر باپ سے، مسلمان شوہر کی محبت کتابیہ بیوی سے وغیرہ۔ اسی پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو محمول کیا جائے گا: "إنك لا تهدي من أحببت" (آپ جس سے محبت کریں اسے ہدایت نہیں دے سکتے ہیں) یعنی کفار میں سے جس سے آپ کو فطری محبت ہو اسے ہدایت دینا آپ کا کام نہیں ہے۔ اس آیت کی ایک تفسیر یہی ہے کہ یہ ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ کتاب التوحید کی شرح میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔ یہ فطری محبت ان ہی اسباب کے ساتھ خاص ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، یعنی خونی رشتہ کی وجہ سے محبت یا نکاح کرنے کی وجہ سے کتابیہ عورت سے محبت۔ کھلاڑیوں اور اداکاروں سے محبت کو اس زمرہ میں یہ کہہ کر نہیں رکھا جاسکتا ہے کہ یہ محبت اس کے کھیل کی وجہ سے ہے، اس کے دین کی وجہ سے نہیں ہے اور اسی طرح کی دوسری مثالیں۔

2۔ کفار کے ساتھ معاملات: مثلاً ان کے ساتھ خرید و فروخت، انہیں سفیر بنانا اور دنیاوی کاموں میں ان سے فائدہ اٹھانا۔ کفار کے ساتھ اس طرح کے معاملات میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ احادیث نبویہ میں اس کی صراحت آئی ہے۔ ان میں سے چند احادیث نیچے درج کی جارہی ہیں:

عائشہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی ایک زرہ تیس صاع جو کے بدلہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے۔

امام بخاری نے یہ باب قائم کیا ہے: مشرکین اور حربیوں کے ساتھ خرید و فروخت کرنے کا بیان۔

عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اسی اثناء میں ایک لمبے قد کا مشرک اپنی بکریوں کو ہانکتے ہوئے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: بیچنے کے لئے ہے یا عطیہ کے لئے یا ہبہ کے لئے ہے؟ اس نے کہا: بیچنے کے لئے ہے۔ پھر آپ نے اس سے ایک بکری خریدی۔

اس زمانہ میں مسلمانوں کے کپڑے اور برتن کفار کے تیار کردہ ہوتے تھے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں سے خیبر کے پھلوں یا غلہ کے ایک حصہ پر معاملہ کیا تھا۔ (متفق علیہ) اور خیبر والے یہودی تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفیروں کو کافر بادشاہوں کے پاس بھیجتے تھے اور کفار کے سفیروں کا استقبال کرتے تھے اور ان سے بات چیت کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بڑی مصلحت کے تحت کفار سے معاہدہ بھی کرتے تھے جیسا کہ آپ نے مدینہ کے یہود سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ بقیہ کفار سے جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ آپ نے قبیلہ خزاعہ کے ساتھ بھی معاہدہ کیا تھا اور آپ نے کفار قریش کے ساتھ مشہور معاہدہ کیا تھا جو صلح حدیبیہ کے نام سے معروف ہے۔

اس طرح کے حالات میں کفار سے بات چیت کرنا ضروری ہے اور عرف وعادت کے مطابق ان کا اکرام بھی کیا جائے گا اور کبھی دین اسلام کے بلند اخلاق کے اظہار کے لئے ان کے ساتھ بات چیت اور معاملات میں نرمی کا مظاہرہ بھی کیا جائے گا جیسا کہ اوپر نقل کی گئی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں پر عمل دین کی عزت و سربلندی کے اظہار کے ساتھ کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے: "ولا تهنوا ولا تحزنوا وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين" (تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایمان دار ہو)

کفار سے تعلقات کی یہ ساری صورتیں ممنوعہ موالات کے زمرہ میں نہیں آتی ہیں۔

3۔ معاملہ کرنے میں کفار کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا: مثلاً ان سے ملاقات کرنا، بیمار ہونے پر ان کی عیادت کرنا، ان کے گھر شادی بیاہ اور بچہ تولد ہونے کی تقریبات میں شریک ہونا، انہیں ہدیہ اور تحفہ دینا وغیرہ امور جائز ہیں۔ کبھی اس طرح کا حسن سلوک دینی نقطۂ نظر سے فائدہ مند اور مطلوب بھی ہوتا ہے، لیکن کفار کی دینی تقریبات میں شرکت نہیں کی

جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ووصينا الإنسان بوالدیہ حسنا" (ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی ہے) دوسری جگہ ارشاد ہے: "ووصينا الإنسان بوالدیہ إحسانا" (ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی ہے) نیز یہ ارشاد بھی ہے: "وإن جاهداك على أن تشرك بي ما ليس لك بہ علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفاً" (اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا)

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جب قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تو اسی زمانہ میں میری مشرکہ والدہ میرے پاس آئیں تو اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرعی حکم دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری ماں میرے پاس آئی ہوئی ہے اور وہ اسلام کی طرف راغب ہے تو کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (متفق علیہ) یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مسجد نبوی کے دروازہ کے پاس سیراء کا لباس فروخت ہوتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا: اچھا ہوتا اگر آپ اس جوڑے کو خرید لیتے اور اسے جمعہ کے دن اور باہر کے وفود کی آمد پر زیب تن کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لباس وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اسی طرح کے جوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے ایک جوڑا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے یہ جوڑا پہننے کو دیا ہے جبکہ آپ نے عطارد کے جوڑے کے بارے میں وہ بات کہی تھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہ جوڑا تمہیں خود پہننے کے لئے نہیں دیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا مکہ میں موجود اپنے ایک مشرک بھائی کو پہنایا۔ (متفق علیہ)

نووی کہتے ہیں: یہ روایتیں اس کی دلیل ہیں کہ کافر رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا جائز ہے، ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جاسکتا ہے اور انہیں ہدایا و تحائف بھی دیئے جاسکتے ہیں۔

انس رضی اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پڑوسی ایران کا رہنے والا تھا، وہ بہت اچھا سالن پکاتا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور آپ کو کھانے پر بلانے کے لئے آیا۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا اِس کی بھی دعوت ہے؟ آپ کی مراد عائشہ رضی اللہ عنہ سے تھی۔ اس نے کہا نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو

پھر میں بھی تمہاری دعوت کے لئے نہیں جاؤں گا۔ وہ واپس چلا گیا اور دوبارہ آپ کو کھانے پر بلانے آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اور اس کی بھی دعوت ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: پھر مجھے بھی تمہاری دعوت قبول نہیں ہے۔ وہ واپس چلا گیا اور پھر پلٹ کر دعوت دینے کے لئے آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریا فت فرمایا: اور اِس کی بھی دعوت ہے؟ اس نے کہا ہاں، اس نے تیسری مرتبہ دونوں کی دعوت منظور کی تو آپ اور عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ساتھ چل کر اس کے گھر آئے۔ (صحیح مسلم)

انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا: تم اسلام قبول کر لو۔ اس لڑکے نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو اس کے پاس ہی موجود تھا۔ اس کے باپ نے کہا: تم ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لو۔ اس کے بعد اس نے اسلام کا کلمہ پڑھ لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے وہاں سے واپس ہوئے کہ ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے اس لڑکے کو جہنم سے بچالیا۔" (صحیح بخاری)

صحیحین میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب سے ملاقات کے لئے ان کے پاس جاتے تھے۔ آپ نے کافروں سے خطاب کرتے ہوئے نرمی کا اظہار کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ مصر مقوقس کا تحفہ قبول کیا۔

صحیح بخاری میں ابو حمید رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے کہ ایلہ کے بادشاہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچر تحفہ میں دیا تھا اور آپ کو ایک چادر پہنائی تھی۔

صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے کہ دومہ کے اکیدر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ دیا تھا۔ صحیح مسلم میں علی رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے کہ دومہ کے اکیدر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی کپڑا تحفہ میں دیا تھا۔ آپ نے وہ کپڑا علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور فرمایا: اِسے کاٹ کر چھوٹی بچیوں کے دوپٹے بنادو۔ ابو بکر اور ابو کریب کی روایت میں ہے کہ اِسے کاٹ کر عورتوں کے دوپٹے بنادو۔

ابن عبد البر نے "الاستذکار" میں لکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دومہ کے اکیدر، فروہ بن نفاثہ اور مصر و اسکندریہ کے امیر مقوقس کے تحفے قبول کئے تھے۔ یہ سب لوگ اُس وقت حالت کفر میں تھے۔

اِسی قبیل سے ضرورت کے تحت کفار کے ساتھ کھانا کھانا بھی ہے جیسا کہ اوپر نقل کی گئی انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے، لیکن کفار کے ساتھ بہت زیادہ میل جول اور اٹھنا بیٹھنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ بکثرت کسی کام کو کرنے کی وجہ سے عام طور پر دل اس کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ صحابہ اس شخص کو متہم کرتے تھے جو کفار و منافقین کے ساتھ بہت زیادہ اٹھتے بیٹھتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں منقول عتبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ صحابہ نے مالک بن دخشم کو نفاق سے متہم کیا تھا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اِس شخص کی محبت اور بات چیت صرف منافقین کے ساتھ ہے۔

اِسی طرح اِس حقیقت سے آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ کفار سے متعلق کئی معاملات ایسے ہیں جس کی شریعت نے تعیین کر دی ہے، لہذا ان معاملات میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے، شریعت کے بر خلاف کام کو فائدہ کی چیز سمجھنا رائے کا فساد ہے۔ ان ہی امور میں سے کافروں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرنا، تنگ راستہ میں ان کو مقدم نہ کرنا وغیرہ ہے جو کہ قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

ان امور و معاملات کے درمیان فرق کرنے سے کفار کے ساتھ معاملہ کرنے سے متعلق شرعی حکم واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن أحسن من اللہ حكما لقوم يوقنون" (ایمان ویقین والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟)

ابن جریر اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "لا ينهاكم اللہ....." کی تفسیر میں متعدد اقوال کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: اِن میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "لاينهاكم اللہ عن الذين لم يقاتلوكم في الدين" (اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی) اس میں تمام ادیان و ملت کے لوگ شامل ہیں، تم ان کے ساتھ نیکی، صلہ رحمی اور انصاف کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس ارشاد: "الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم" (جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا) میں ہر اس کافر کو مراد لیا ہے جس کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس قول میں کسی کی تخصیص نہیں کی ہے۔ اس شخص کی بات کا کوئی مطلب نہیں ہے جس نے کہا کہ یہ حکم منسوخ ہے، اس لئے کی مومن کا اس حربی کافر کے ساتھ نیکی کرنا جس سے اس کی نسبی رشتہ داری ہو یا جس سے اسکی کوئی رشتہ داری نہ ہو نہ نسبی تعلق ہو، اس صورت میں حرام اور ممنوع نہیں ہے جبکہ اس کی وجہ سے اس کے سامنے یا حربی کافر کے سامنے

مسلمانوں کے پوشیدہ امور کا انکشاف نہ ہوتا ہو یا نیکی کے ذریعہ حربی کافر کو گھوڑے و خچر اور ہتھیار سے تقویت نہ دی گئی ہو۔ ہمارے اِس قول کی دلیل وہ روایت ہے جسے ہم نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے اسماء رضی اللہ عنہا اور ان کی مشرکہ والدہ کے واقعہ کے ضمن میں نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"إن اللہ یحب المقسطین" (بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)اِس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بات کہی ہے کہ وہ اُن انصاف پسندوں کو محبوب رکھتا ہے جو لوگوں کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، انہیں ان کا حق دیتے ہیں، خود اپنی ذات کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں۔

ابن جوزی "زاد المیسر" میں کہتے ہیں: مفسرین کا قول ہے کہ اِس آیت سے ان لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی رخصت واجازت کا پتہ چلتا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کا ماحول نہیں بنایا۔ اِس آیت سے ایسے پر امن کافروں کے ساتھ نیکی کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اگرچہ اِن کے ساتھ موالات (دلی دوستی) کا رشتہ منقطع رہے گا۔

ابن قیم "احکام أھل الذمۃ" میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم في الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروھم وتقسطوا إلیھم إن اللہ یحب المقسطین إنما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم في الدین وأخرجوکم من دیارکم و ظاھروا علی إخراجکم أن تولوھم ومن یتولھم فأولئك ھم الظالمون" (جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس نکالے دیئے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی، جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ (قطعاً) ظالم ہیں) اللہ تعالیٰ نے سورہ الممتحنہ کے آغاز میں مسلمانوں کو اِس سے منع کیا ہے کہ وہ کفار کو اپنا دوست بنائیں اور مسلمانوں اور کافروں کے درمیان رشتۂ مودت کو منقطع کر دیا ہے، اِس سے کچھ لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ کفار کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنا بھی موالات اور مودت میں شامل ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں یہ واضح کر دیا ہے کہ کفار کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک ممنوع موالات میں شامل نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے اِس سے نہیں روکا ہے۔ یہ وہ احسان ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے، اس نے ہر چیز کے حق میں احسان کو فرض کیا ہے۔ دراصل کفار سے دلی دوستی کرنے اور

ان سے محبت کا رشتہ رکھنے کی ممانعت ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے ساتھ کفر اور اللہ کے رسول کی تکذیب کی شرط پر اپنا حق وصول کرنا کفار کے ساتھ اونچے درجہ کا موالات ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ کسی مسلمان یا حاکم کے لئے جائز نہیں ہے کہ کفار کے اوقاف سے اس کی تنفیذ کرے۔ اگر کفار نے آپس میں کوئی چیز وقف کی ہو اور وہ فیصلہ کے لئے ہمارے پاس آئیں اور اس کا حکم ہم سے دریافت نہ کریں تو اس معاملہ میں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس کا حکم وہی ہو گا جو ان کے آپسی معاملات بیع وشراء اور فاسد نکاحوں کا حکم ہے۔ اِسی طرح مسلمان نے کوئی چیز وقف کی تو اس میں سے اتنا ہی درست ہو گا جو اللہ کے حکم کے مطابق ہو۔

سعدی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: جب سورہ ممتحنہ کی یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن میں کافروں کے ساتھ عداوت کا رشتہ رکھنے پر آمادہ کیا گیا ہے تو مسلمانوں پر ان کا گہرا اثر ہوا۔ انہوں نے پورے طور پر اللہ کے اِس حکم پر عمل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اِن آیات کی روشنی میں اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کو گناہ سمجھا۔ انہوں نے سمجھا کی یہ اللہ تعالیٰ کے منع کردہ موالات میں شامل ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ یہ صلہ رحمی اور حسن سلوک حرام کردہ موالات میں شامل نہیں ہے۔ ارشاد ہے:"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين" یعنی اللہ تعالیٰ مشرک رشتہ داروں اور اجنبیوں کے ساتھ نیکی، صلہ رحمی، بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دینے اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا ہے جبکہ ان لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگیں نہ کی ہوں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا ہو۔ ایسے کفار کے ساتھ تم صلہ رحمی کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس صورت حال میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا ممنوع نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی خرابی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک والدین کے سلسلہ میں مسلمان اولاد کو حکم دیا ہے:"وإن جاهداك على أن تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفا" (اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ مان، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين" یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دلی دوستی رکھنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تمہارے دین کی وجہ سے تم سے جنگیں کیں اور اللہ کے دین اور اس دین کا جھنڈا بلند کرنے والوں کے ساتھ دشمنی کی۔ "وأخرجوكم من دياركم وظاهروا" یعنی جن لوگوں نے تمہیں تمہارے وطن سے نکالا یا تمہیں وطن بدر کرنے میں دوسروں کی مدد کی۔ "أن تولوهم" یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے لوگوں سے دوستی اور محبت رکھنے سے

منع کیا ہے۔ تم ان کے ساتھ محبت کا رشتہ استوار نہ کرو اور نہ قول و عمل سے ان کی مدد کرو۔ رہی ان مشرکین کے ساتھ تمہاری نیکی اور حسن سلوک جو ولاء میں شامل نہیں ہے تو اللہ نے تم کو اس سے نہیں روکا ہے۔ یہ مشرک رشتہ داروں اور دیگر انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کے عام حکم میں شامل ہے۔ "ومن يتولهم فأولئك هم الظالمون "یعنی جس نے مشرکین کے ساتھ دلی دوستی رکھی وہی لوگ ظالم ہیں۔ یہ ظلم دوستی اور ولاء کے فرق مراتب کے لحاظ سے ہو گا۔ اگر مکمل طور پر ولاء کا مظاہرہ کیا ہے تو یہ صریح کفر ہو گا، اس کی وجہ سے ایسا کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اس ولاء کے چند ایسے درجے ہیں جن میں سے کچھ سخت ہیں اور کچھ اس سے کمتر ہیں۔ سعدی کی بات ختم ہوئی۔

نواں ناقض اسلام: جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ کچھ لوگوں کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے دائرہ سے باہر نکل جانے کی گنجائش ہے جیسے کہ خضر کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے دائرہ سے باہر نکلنے کی گنجائش تھی تو وہ کافر ہے۔

---

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم الشان کتاب کے ساتھ مبعوث کیا، آپ کو سلسلۂ رسالت کا خاتم یعنی آخری کڑی بنایا، آپ پر نازل ہونے والی کتاب کو تمام آسمانی کتابوں کی خاتم یعنی آخری کڑی بنایا، آپ کے لائے ہوئے دین کو قیامت تک کے لئے تمام ادیان کو ختم کرنے والا بنایا اور تمام انس وجن کے لئے اس دین پر ایمان لانا فرض قرار دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انس وجن، ان پڑھوں اور اہل کتاب، عرب وعجم اور سفید وسیاہ فام کے لئے عام ہے۔ آپ کی رسالت تمام ادیان کو منسوخ کرنے والی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"قل يا أيها الناس إني رسول اللہ إليكم جميعا" (آپ کہہ دیجئے، اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں) دوسری جگہ ارشاد ہے:"وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين" (ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے) ایک اور جگہ ارشاد ہے:"وما أرسلناك إلا كافة للناس بشيرا و نذيرا"(ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے) ایک جگہ ارشاد ہے:"ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منہ و هو في الآخرة من الخاسرين" (جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا) ایک جگہ ارشاد ہے: "وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيلہ" (اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی)

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے پانچ چیز عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا کی گئیں؛ ایک ماہ کی مسافت تک میرے رعب و دبدبہ کے ذریعہ میری مدد کی گئی، زمین کو میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکی کا ذریعہ بنایا گیا، میرے کسی امتی کے لئے جہاں نماز کا وقت ہو جائے گا وہاں پر وہ نماز ادا کر لے، مال غنیمت کو میرے لئے حلال کیا گیا، پہلے نبی کسی خاص قوم کے لئے مبعوث ہوتے تھے، مجھے تمام لوگوں کے لئے مبعوث کیا گیا ہے اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔" (متفق علیہ) روایت کے الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

صحیح مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ ہر نبی اپنی خاص قوم کے لئے مبعوث ہوتے تھے، مجھے ہر سرخ و سیاہ کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ یعنی ہر رنگ و نسل کے لوگوں کے لئے میری بعثت ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں محمد کی بعثت ہو تو وہ ان کی اتباع کریں اور اپنی قوموں کو بھی ان کی اتباع کا حکم دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وإذ أخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جائکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال أ أقررتم وأخذتم علی ذلکم إصری قالوا أقررنا قال فاشھدوا وأنا معکم من الشاھدین" (جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہمیں اقرار ہے، فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث کیا تو ان سے یہ عہد و پیمان لیا کہ اگر ان کی زندگی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت ہو تو وہ ضرور بالضرور ان کی اتباع کریں گے۔ نیز ہر نبی سے یہ عہد بھی لیا کہ وہ اپنی امت کی طرف سے یہ عہد کریں کہ اگر ان کی زندگی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت ہو تو وہ لوگ ضرور بالضرور ان کی اتباع بھی کریں گے اور ان کی مدد بھی کریں گے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انس و جن، عرب و عجم، بادشاہوں اور زاہدوں، ولیوں اور غیر ولیوں سب کے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ظاہری و باطنی طور پر آپ کی اتباع سے انکار کرے اور آپ پر نازل کردہ قرآن و سنت کی اتباع سے منہ موڑے۔ کتاب و سنت کے کسی بھی چھوٹے بڑے حکم چاہے اس کا تعلق علم

سے ہو یا عمل سے ہو، سے منہ موڑنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات کہے جو خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی۔ ان کی بات ختم ہوئی۔

اب اِس کے بعد جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کر سکتا ہے تو وہ کافر ہے، خسارہ اٹھانے والا ہے اور ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنمی ہے اور جہنم سب سے برا ٹھکانہ ہے۔

جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ دین نصرانیت اور دین یہودیت کو اختیار کرنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ آسمانی ادیان ہیں اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے ہیں تو اس نے کفر کیا۔ تیسرے ناقض الاسلام کے تحت اِس کی وضاحت آچکی ہے۔

جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ خاص لوگ جو یقین کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں، اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے بے نیاز رہنا ممکن ہے۔ ان سے شرعی احکام ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ غلو پسند باطنی اہل تصوف کا اعتقاد ہے۔[1] ان کا یہ

---

(1) ابن الجوزی نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں اِن لوگوں کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ان میں سے کچھ لوگوں نے ایک لمبی مدت تک ریاضت کی پھر ان کو لگا کہ وہ جوہر بن چکے ہیں۔ وہ کہنے لگے: اب ہم جو بھی عمل کریں ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔ اوامر و نواہی تو عوام الناس کے لئے ہے۔ اگر وہ لوگ عبادت و ریاضت کے بعد جوہر بن جائیں تو شرعی احکام کی پابندی ان سے ساقط ہو جائے گی۔ ان لوگوں نے یہ بھی کہا: نبوت کا حاصل حکمت اور مصلحت تک پہنچنا ہے، شریعت کا مقصد عوام کو نظم وضبط کا پابند بنانا ہے۔ اب ہم عوام الناس میں سے نہیں رہے کہ شرعی احکام کی پابندی ہمارے لئے لازم ہو، اس لئے کہ عبادت و ریاضت کے بعد ہم جوہر بن چکے ہیں اور ہم نے حکمت کو پالیا ہے جو نبوت کا حاصل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ریوندیہ فرقہ کے لوگ حرام کو حلال بنالیتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص ایک جماعت کو اپنے گھر مدعو کرتا، انہیں کھلاتا پلاتا اور ان کے لئے اپنی بیوی کو پیش کر دیتا تھا۔

ابن تیمیہ نے ابن جوزی جیسی ہی بات ان لوگوں کے لئے کہی ہے جو خود کے جوہر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا ہے کہ یہ لوگ یہود و نصاریٰ سے زیادہ بڑے کافر ہیں، بلکہ ان کا کفر روئے زمین کے تمام کافروں سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ یہود و نصاریٰ قرآن کی کچھ باتوں پر ایمان لائے تھے اور کچھ باتوں کا انکار کیا تھا۔ اِن لوگوں نے مکمل شریعت کا انکار کر دیا۔ یہ لوگ حق کے کسی بھی حصہ کی پیروی کے دائرہ سے باہر ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ مطلق طور پر تمام شرعی احکام کی پابندی کے دائرہ سے باہر نکل جانے کی بات نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے ذمہ سے کچھ واجبات کے ساقط ہونے کی بات کہتے ہیں اور کچھ محرمات کے حلال ہونے کے قائل ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نماز کے مقصد تک پہنچنے کی وجہ سے نماز ان سے ساقط ہو گئی ہے۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ مشاہدہ کے وقت نماز ان سے ساقط ہو جاتی ہے۔ کچھ یہ کہتے ہیں۔ جماعت کی نماز میں ان کی حاضری ان سے

خیال ہے کہ انسان کے لئے علم و معرفت کے اُس مقام تک پہنچنا ممکن ہے جس کے بعد اس سے شرعی احکام ساقط ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ اس کی دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں: "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين" (اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔) ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یقین علم و معرفت کا ایک مرحلہ ہے جہاں تک کسی انسان کے پہنچنے کے بعد اس سے امر و نواہی ساقط ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ سورہ الکہف میں مذکورہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آئے خضر کے واقعہ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ جس نے اس طرح کا اعتقاد رکھا وہ کافر ہے، اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جانے والی شریعت کا انکار کیا۔

جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت عبادات کی حد تک مناسب ہے، معاملات اور سیاست کے لئے صحیح نہیں ہے جیسا کہ آج کے سیکولر اور لبرل فکر کے حاملین کا اعتقاد ہے جو آج کے دور میں مسلمانوں کے لئے آزمائش بن چکے ہیں تو ایسی فکر رکھنے والا کافر ہے، اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا انکار کیا۔

مصنف رحمہ اللہ نے شاید اِس ناقض اسلام کے تحت باطنی فکر کے اصحاب سلاسل صوفیاء کو مراد لیا ہے جو اپنے کو دین اسلام کا پیروکار بتاتے ہیں، کیونکہ یہی لوگ اپنے باطل مذہب کے حق میں خضر کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ نے اِن صوفیاء کے آیت کریمہ "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين" سے استدلال کرنے کا جواب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اِن میں سے کچھ لوگ آیت کریمہ "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين" سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے رب کی عبادت کرتے رہو۔ یہاں تک کہ تمہیں علم و معرفت حاصل ہو جائے۔ جب تمہیں یہ چیز حاصل ہو جائے گی تو عبادت کی ادائیگی تم سے ساقط ہو جائے گی۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے یہ کہا: تم عمل کرتے رہو یہاں تک کہ تم پر حال طاری ہو جائے۔ جب صوفیوں والا حال تم پر طاری ہو جائے گا تو عبادت کی ادائیگی تم سے ساقط ہو جائے گی۔

---

ساقط ہو گئی ہے۔ کچھ لوگ حج کے ساقط ہونے کی بات کہتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ رمضان میں بغیر عذر شرعی کے ان کے لئے کھانا پینا جائز ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کے لئے شراب حلال ہے۔ ان کے خیال میں شراب عام لوگوں کے لئے حرام ہے، نہ کہ خاص لوگوں کے لئے جو کہ عقلمند ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مطلوبہ معرفت حاصل ہو جانے کے بعد اور مطلوبہ حال طاری ہو جانے کے بعد فرائض کو ترک کر دینا اور حرام کاموں کا ارتکاب ان کے لئے حلال ہو گیا۔ یہ کفر ہے جیسا کہ اس کی وضاحت اوپر کی جا چکی ہے۔

اِن میں سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک خاص مقام تک پہنچنے کے بعد انہیں نوافل کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ شخص جس نے نوافل سے بے نیازی کا اظہار کیا اور اُسے معمولی و کمتر سمجھا وہ دھوکہ میں پڑا ہوا، ناقص، جاہل، گمراہ اور خسارہ اٹھانے والا ہے۔ بر خلاف اس کے جس نے نوافل کو یہ سمجھتے ہوئے ترک کیا کہ نوافل کی ادائیگی کرنے والا درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ اِس طرح نوافل کو ترک کرنے والے نے نوافل کی پابندی کرنے والے کی حالت کو اہمیت دی۔ ایسا شخص قابل مذمت نہیں ہے، اگرچہ نوافل کی ادائیگی کرنے والا اُسے ترک کرنے والے سے افضل ہے۔ یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ نوافل کی پابندی کرنے والا سبقت کرنے والے مقرب بندوں میں سے ہے اور اُسے ترک کرنے والا درمیانی راہ اختیار کرنے والے اصحاب یمین میں سے ہے۔ اِن اہل تصوف میں سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت کے امر و نواہی کی پابندی اس کے لئے اُس وقت تک واجب ہے جب تک اُسے معرفت حاصل نہ ہو اور اس پر حال طاری نہ ہوا ہو۔ جب یہ دونوں چیزیں اُسے حاصل ہو جائیں تب اس پر نبوی شریعت کی پابندی واجب نہیں ہے۔ اس مقام تک پہنچنے کے بعد وہ تکوینی و تقدیری حقیقت کے مطابق عمل کرے گا یا اپنے ذوق، وجد، کشف اور رائے کے مطابق عمل کرے گا۔ پھر اس کے لئے قرآن و سنت پر چلنا ضروری نہیں ہے۔ اِن میں سے کچھ کو حال سلب کر کے سزا دی جاتی ہے جس کے بعد وہ ناقص، عاجز، اور محروم ہو کر زندگی گزارتا ہے۔ اِن میں سے کچھ کو اطاعت سلب کر کے سزا دی جاتی ہے جس کے بعد وہ ایک فاسق کے طور پر زندہ رہتا ہے۔ اِن میں سے کچھ لوگوں کو ایمان سلب کر کے سزا دی جاتی ہے جس کے بعد وہ مرتد و منافق یا کھلم کھلا کافر بن کر زندگی گزارتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ رہی بات ان کے آیت کریمہ "واعبد ربك حتى ياتيك اليقين" سے استدلال کرنے کی تو یہ آیت ان کے خلاف حجت ہے، ان کے حق میں حجت نہیں ہے۔ حسن بصری کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے عمل کرنے کے لئے موت کے علاوہ کسی اور چیز کو آخری مدت مقرر نہیں کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ آیت تلاوت کی "واعبد ربك حتى ياتيك اليقين" (تم اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے) کیونکہ اس آیت میں یقین سے مراد موت اور اس کے بعد کا مرحلہ ہے۔ اسی پر علمائے مسلمین کا اتفاق ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں یقین کا مقام حاصل ہو گیا۔ اس کی دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "ما سلككم في سقر قالوا لم نك من المصلين ولم نك نُطعم المسكين وكنا نخوض مع الخائضين وكنا نكذب بيوم الدين حتى أتانا اليقين" (تمہیں دوزخ میں کس چیز نے

ڈالا۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے، نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم بحث کرنے والے (انکاریوں) کا ساتھ دے کر بحث ومباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی) یہ باتیں یہ لوگ اس وقت کہیں گے جبکہ وہ جہنم میں ہوں گے۔ وہ لوگ یہ بتائیں گے کہ وہ نماز وزکاۃ کو ترک کئے ہوئے تھے، آخرت کو جھٹلاتے تھے اور بحث ومباحثہ کرنے والے انکاریوں کے ساتھ مشغول رہتے تھے یہاں تک کہ انہیں موت آ گئی۔ یہ بات معلوم ہے کہ یہ لوگ اس حالت میں ہونے کے باوجود دنیا میں ان باتوں پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ یہ ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وبالآخرۃ هم يوقنون" (یہ لوگ آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں) اس آیت میں یقین کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس وہ چیز پہنچ گئی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا یعنی یقین بمعنی موت۔ اگر کوئی آیت کا مطلب یہ سمجھتا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں درجہ یقین حاصل ہو جائے، پھر تم پر کوئی عبادت فرض نہیں رہے گی تو اس کے کافر ہونے پر ائمہ مسلمین کا اتفاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جنید بن محمد کو یہ بتایا گیا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نیکی کے راستہ ترک عبادات تک پہنچتے ہیں تو ان کے بارے میں جنید نے کہا: زنا، چوری، شراب نوشی ان لوگوں کی اس باطل پرستی سے بہتر ہے۔

ائمہ دین اور مشائخ نے ہمیشہ ان منافقین پر سخت الفاظ میں نکیر کی ہے، اگرچہ یہ بظاہر زہاد وعباد ہی میں سے کیوں نہ ہوں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان اہل تصوف کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خضر کے واقعہ سے استدلال کرنے کا بھی جواب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: جس نے اس مسئلہ میں خضر کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو دلیل بنایا ہے وہ دو اعتبار سے غلطی پر ہے:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خضر کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے تھے اور نہ خضر کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی اتباع واجب تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت بنی اسرائیل کے لئے ہوئی تھی لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انس وجن کے لئے ہے۔ اگر ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام جو خضر سے افضل ہیں، نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا زمانہ پایا ہوتا تو ان سارے انبیائے کرام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہوتی۔ اس تناظر میں خضر کو بدرجہ اولیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی پڑتی، چاہے وہ نبی ہوں یا ولی ہوں۔ اسی لئے خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: اے موسیٰ! میرے

پاس اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ وہ علم ہے جسے اس نے مجھے سکھایا ہے، آپ اس علم سے واقف نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علم سکھایا ہے جسے میں نہیں جانتا ہوں۔

انس و جن میں سے جس کے پاس بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پہنچ چکی ہے وہ اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتا ہے کہ اس کے ذمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ خضر نے جو کچھ کیا تھا وہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بر خلاف نہیں تھا۔ اصل میں موسیٰ علیہ السلام کو ان اسباب کا علم نہیں تھا جو خضر کے کاموں کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ جب خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے ان اسباب کی وضاحت کی تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کی موافقت کی۔

ابن قیم رحمہ اللہ "مدارج السالکین" میں لکھتے ہیں: موسی اور خضر علیہما السلام کے واقعہ کو بنیاد بنا کر علم لدنی کی وجہ سے وحی سے بے نیاز ہونے کو جائز کہنا الحاد اور کفر ہے، اس کی وجہ سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اس کا خون بہانا جائز ہو گا۔ ان دونوں باتوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خضر کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے تھے اور خضر موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کے لئے مامور نہیں تھے۔ اگر خضر کو موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کا حکم ہوتا تو ان کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہجرت کرنا واجب ہوتا اور وہ ان کے ساتھ ہوتے۔ اسی لئے خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ کیا آپ بنی اسرائیل کے نبی موسیٰ ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں، دوسری طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انس و جن کے لئے ہوئی ہے۔ آپ کی رسالت تمام جن و انس کے لئے ہے اور ہر دور کے لئے ہے۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں ہوتے۔ قرب قیامت جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اس کے بعد جس نے یہ دعویٰ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خضر کا معاملہ تھا یا اس نے امت کے کسی فرد کے لئے اسے جائز سمجھا تو اسے اپنے اسلام کی تجدید کرنی چاہئے اور اسے دوبارہ کلمۂ حق کی شہادت دے کر مسلمان ہونے کا ثبوت دینا چاہئے۔ اس لئے کہ اس طرح کے گمراہ کن عقیدہ کو اختیار کرنے کے بعد دین اسلام سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ جاتا ہے چہ جائیکہ اولیاء اللہ میں اس کا شمار ہو۔ ایسا شخص اولیاء شیطان، اس کے جانشینوں اور اس کے نمائندوں میں سے ہے۔ زندیقوں اور بے دینوں اور اہل استقامت کے درمیان یہی خط امتیاز ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خضر کے واقعہ سے اہل تصوف کے استدلال کرنے کی وجہ بھی بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: جہاں تک موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ سے ان کے استدلال کرنے کی بات ہے تو اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: وہ یہ کہتے ہیں کہ خضر ہمہ جہت ربانی ارادہ اور عام الٰہی مشیئت کا مشاہدہ کر رہے تھے جو کہ تکوینی حقیقت بھی تھی لہذا وہ ان کاموں کی وجہ سے ملامت کے مستحق نہیں رہے جو بظاہر شرعی اوامر و نواہی کے بر خلاف تھے۔ یہ بات بہت بڑی جہالت اور گمراہی ہے بلکہ یہ بہت بڑا نفاق اور کفر ہے۔ اس بات کا ماحصل یہ ہے کہ جو تقدیر پر ایمان لایا اور یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے اس کے لئے شرعی اوامر و نواہی کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں، اسکے رسولوں اور تمام شریعتوں کے امر و نواہی کا انکار ہے۔ یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ مشرکین نے کہا تھا: "ولو شاء اللہ ما أشركنا ولا آباءنا ولا حرمنا من شيء" (اگر اللہ تعالی چاہتا تو ہم اور ہمارے آباؤاجداد شرک نہ کرتے اور نہ کسی چیز کو حرام ٹھہراتے) اِسی آیت میں آگے ارشاد ہے: "كذلك كذب الذين من قبلهم حتى ذاقو بأسنا قل هل عندكم من علم فتخرجوه لنا إن تبتعون إلا الظن إن أنتم إلا تخرصون" (اِسی طرح جو لوگ اِن سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھا۔ آپ کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اسکو ہمارے روبرو ظاہر کرو۔ تم لوگ محض خیال باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل اٹکل سے باتیں بناتے ہو) اِسی طرح کی بات سورہ النحل میں کہی گئی ہے۔ سورہ یٰس میں ارشاد ہے: "وإذا قيل لهم أنفقو مما رزقكم اللہ قال الذين كفروا للذين آمنوا أنطعم من لو يشاء اللہ أطعمه إن أنتم إلا في ضلال مبين" (اور جب ان سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرو تو یہ کفار ایمان والوں کو جواب دیتے ہیں ہم انہیں کیوں کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا، تم تو ہو ہی کھلی گمراہی میں) سورہ الزخرف میں ارشاد ہے: "وقالوا لو شاء الرحمان ما عبدنا هم ما لهم بذلك من علم إن هم إلا يخرصون" (اور کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، انہیں اس کی کچھ خبر نہیں، یہ تو صرف اٹکل پچو (جھوٹ باتیں) کہتے ہیں) یہ لوگ شرک کرنے والے وہ قدریہ ہیں جو اوامر و نواہی سے لاتعلقی ظاہر کرنے کے لئے تقدیر سے استدلال کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ قدریہ سے بھی برے ہیں جنہیں اِس امت کا مجوسی کہا گیا ہے۔ جن کے بارے میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ یہ بیمار ہوں تو اِن کی عیادت نہ کرو، اگر یہ مر جائیں تو اِن کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ اس لئے کہ یہ اہل تصوف اوامر و نواہی کو مانتے ہیں، ثواب و عقاب کو بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن عمومی ارادہ، قدرت اور تخلیق کا انکار کرتے ہیں اور پیشگی علم کا بھی انکار کرتے ہیں۔ دوسری طرف شرک

کرنے والے قدریہ امر و نہی اور ثواب اور عقاب سب کے منکر ہیں، اگرچہ یہ عمومی ارادہ، قدرت اور تخلیق کے منکر نہیں ہیں لیکن یہ امر و نہی، وعدہ اور وعید کا انکار کرتے ہیں نیز تمام آسمانی کتابوں اور رسولوں کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اِسی لئے بھیجا تھا تاکہ وہ اطاعت کرنے والوں کو ثواب کی خوشخبری سنائیں اور نافرمانی کرنے والوں کو عذاب سے ڈرائیں۔ ہم نے دوسری جگہ اِن کے بارے میں تفصیلی کلام کیا ہے۔

یہ بات بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا تقدیر پر ایمان تھا اور وہ ایمان بالقدر سے واقف تھے۔ اُن کی اتباع کرنے والے نبی اسرائیل بھی تقدیر پر ایمان رکھتے تھے۔ جس کے پاس معمولی عقل بھی ہے کیا وہ یہ کہے گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے ایمان بالقدر کو سیکھنے کی درخواست کی اور اِس کی وجہ سے وہ ملامت کے مستحق نہیں ٹھہرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تقدیر کے بارے میں خضر سے زیادہ علم رکھتے تھے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے عام ساتھی بھی تقدیر کو جانتے تھے۔

یہ بات بھی ہے کہ اگر خضر کے واقعہ کی پوشیدہ حقیقت یہی ہوتی تو انہوں نے اِسے موسیٰ علیہ السلام سے بیان کیا ہو تاکہ میں اللہ کے ارادہ اور تقدیر کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات انہوں نہیں کہی بلکہ جن کاموں کو انہوں نے انجام دیا ان کے شرعی اسباب کی وضاحت کی جن سے اُن کے کئے ہوئے کام جائز قرار پاتے ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی اِن شاء اللہ۔

دوسری وجہ: اِن اہل تصوف میں سے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اولیاء کے لئے نبوی شریعت سے خروج صحیح ہے جیسا کہ خضر کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے خروج صحیح تھا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ولی کو مکاشفہ اور مخاطبہ حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ عام حالات یا کچھ حالات میں رسول کی اتباع سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اِن اہل تصوف میں بہت سے ایسے ہیں جو یا تو مطلق طور پر یا کچھ اعتبار سے ولی کو نبی پر فضیلت دیتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ خضر کے واقعہ میں ان کے لئے حجت ہے۔ یہ ساری باتیں بڑی جہالتوں اور گمراہیوں کا حصہ ہیں بلکہ یہ اعلیٰ درجہ کا نفاق، الحاد اور کفر ہے۔ یہ بات دین اسلام میں ضروری طور پر معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انسانوں کے لئے ہے، چاہے وہ عرب ہوں یا عجم ہوں، بادشاہ ہوں یا زاہدوں کی جماعت ہو، علماء ہوں یا عوام الناس ہوں۔ یہ رسالت محمدی قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔ تمام جن و انس کے لئے شریعت محمدی کی اتباع ضروری ہے۔ جن و انس میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و متابعت اور امت کے لئے متعین کردہ شریعت کے دائرہ سے باہر نکل جائے اور آپ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جن کاموں سے روکا ہے ان کا انکار

کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے کے انبیائے کرام اگر زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہوتی۔

دسواں ناقض اسلام: اللہ کے دین سے منہ موڑنا ہے بایں طور کہ نہ تو دین کو سیکھتا ہو، نہ اس پر عمل کرتا ہو۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "ومن أظلم من ذكر بآيات ربه ثم أعرض عنها إنا من المجرمين منتقمون" (اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے وعظ کیا گیا پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر لیا، (یقین مانو) کہ ہم بھی گنہگاروں سے انتقام لینے والے ہیں)

---

اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ ایک ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ کفر اعتقادی ہوتا ہے، کبھی کفر قولی ہوتا ہے اور کبھی کفر فعلی ہوتا ہے۔ دینی امور میں شک کرنا، اس کا انکار کرنا، حق کے سامنے تکبر کا مظاہرہ کرنا، حق سے منہ موڑنا اور حق کو پشت دکھانا یا اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جانا کفر کی مختلف شکلیں ہیں۔

حق سے منہ موڑنے اور اسے پشت دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی بات سننے اور سیکھنے سے اعراض کیا جائے اور دین پر عمل کرنے سے اعراض کیا جائے۔ یہ اعراض ان لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے:

1۔ اصلی کافر کی طرف سے: مثلاً وہ شخص جو رسالت محمدی کے ظاہر ہونے کی خبر سنتا ہے لیکن وہ تلاش حق کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس کی مثال بہت سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے انبیائے کرام کا زمانہ پایا لیکن ان کی دعوت اور ان کے پیغام کو نہیں سنا۔ نیز اس کی مثال آج کے بہت سے وہ کفار ہیں جو اسلام کے بارے میں سنتے ہیں لیکن اس کے بارے میں مطالعہ نہیں کرتے اور دنیا میں مشغول ہونے کی وجہ سے تلاش حق کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اسی قبیل سے وہ لوگ بھی ہیں جو رسالت محمدی کے

بارے میں سنتے ہیں تو اسے قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بارے میں ارشاد فرمایا: "وإني كلما دعوتهم لتغفرلهم جعلوا أصابعهم في آذانهم واستغشوا ثيابهم وأصروا واستكبروا استكبارا" (میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لئے بلایا، انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا) ان کی حالت بنی عبد یالیل کے اس شخص کی ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: اللہ کی قسم! میں آپ سے کوئی بات نہیں کہوں گا۔ اگر آپ سچے ہوئے تو آپ میری نظر میں اس سے زیادہ محترم ہیں کہ میں آپ کی دعوت کو ٹھکرادوں اور اگر آپ جھوٹے ہوئے تو آپ اس سے زیادہ حقیر ہیں کہ میں آپ سے بات کروں۔ ایسا ہی حال عہد مکی میں کچھ کفار کا بھی تھا جو اپنے کانوں میں روئی ڈالے رہا کرتے تھے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ان کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔ وہ لوگ ایسا قریش کے اس پروپیگنڈے کی وجہ سے کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں، لوگوں کو ان کے اہل وعیال سے جدا کر دیتے ہیں۔ اس طرح کی اور باتیں بھی تھیں جو وہ آپ کے خلاف کرتے تھے۔

2۔ ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں: اور یہ اس صورت میں جبکہ وہ دین سیکھنے سے اعراض کرتا ہو یا اس پر عمل کرنے سے منہ موڑتا ہو مثلاً وہ شخص جس کی نشو ونما مسلمانوں یا کافروں کے ماحول میں ہوئی ہو، وہ اپنے کو مسلمان کہتا ہو لیکن وہ دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہو اور نہ اسلام کو جاننے کے لئے اس کے اندر آمادگی ہو۔ ایسا شخص دنیا اور خواہشات میں مشغول ہونے کی وجہ سے مکمل طور پر دین سے منہ موڑنے والا ہے۔ وہ صرف نام کا مسلمان ہے۔ اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے مثلاً بہت سے وہ لوگ جو اسلامی جمہوریاؤں میں رہتے ہیں یا کافروں کے ملکوں میں طویل عرصہ سے رہائش اختیار کئے ہوئے ہیں اور اسلام کو جاننے اور اس کی تعلیمات کو سیکھنے میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

اسی صف میں روافض اور غلو کرنے والے اہل تصوف وغیرہ اہل بدعات بھی ہیں جو کئی طرح کے کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ لوگ علماء کی زبان سے حق کو سنتے ہیں لیکن صحیح دین کو سیکھنے، حق کو تلاش کرنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی خود کو زحمت نہیں دیتے۔

اسی صف میں وہ لوگ بھی ہیں جو دین کے احکام سے واقف ہونے کے باوجود دین پر عمل کرنے سے منہ موڑتے ہیں مثلاً وہ غافل لوگ جو اسلام کے ارکان میں سے کسی رکن پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ صرف زبان سے کلمہ پڑھنے اور خود کو مسلمان کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ کبھی نماز عید وغیرہ کچھ دینی شعائر کے موقع پر موجود رہتے ہیں۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دین کے لئے قول و عمل دونوں ضروری ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول پر صرف دل سے ایمان رکھتا ہو یا صرف دل اور زبان سے ایمان رکھتا ہو لیکن کسی ظاہری واجب کو نہ ادا کرتا ہو، نہ نماز پڑھتا ہو، نہ روزے رکھتا ہو اور نہ زکاۃ ادا کرتا ہو۔ نیز دوسرے فرائض و واجبات پر بھی اس کا عمل نہ ہو۔

ان کا یہ قول بھی ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فلا صدّق ولا صلى ولكن كذّب وتولى" (اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی) دوسری جگہ ارشاد ہے: "لا يصلاها إلا الأشقى الذي كذب وتولى" (جس میں صرف وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور (اس کی پیروی سے) منہ پھیر لیا) اسی طرح موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے کہا تھا: "إنا قد أوحي إلينا أن العذاب على من كذب وتولىٰ" (بیشک ہماری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ عذاب الٰہی کا مستحق وہ ہوگا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ "تولی" (منہ پھیرنا) تکذیب کے معنی میں نہیں ہے بلکہ "تولی" کا مطلب ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لینا۔ لوگوں کے اوپر یہ فرض ہے کہ وہ رسول کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق کریں اور رسول کے حکموں کی تعمیل کریں۔ تصدیق کی ضد تکذیب ہے اور اطاعت کی ضد "تولی" (منہ پھیرنا) ہے۔ اسی لئے اللہ پاک نے منکرین کے بارے میں ارشاد فرمایا: "فلا صدّق ولا صلى ولكن كذّب وتولى" (اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی) دوسری جگہ ارشاد ہے: "ویقولون آمنا باللہ وبالرسول وأطعنا ثم يتولى فريق منهم من بعد ذلك وما أولئك بالمومنين" (اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لائے اور فرماں بردار ہوئے، پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد بھی پھر جاتا ہے، یہ ایمان والے ہیں (ہی) نہیں) اس آیت میں عمل سے منہ موڑنے والے کے ایمان کی نفی کی گئی ہے، اگرچہ وہ قولاً مومن ہونے کی دہائی دیتا ہو۔ قرآن و سنت میں بہت سی جگہوں پر عمل نہ کرنے والے کے ایمان کی نفی کی گئی ہے جیسا کہ منافق کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ بات ختم ہوئی۔

ان کا یہ قول بھی ہے: تکذیب رسول کی دی ہوئی خبروں کی کی جاتی ہے اور روگردانی رسول کے حکم سے کی جاتی ہے۔ ایمان لانے کا مطلب ہے رسولوں کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق کرنا اور رسولوں کے دیئے ہوئے حکموں کی تعمیل کرنا۔

ابن قیم "طریق الھجرتین" میں لکھتے ہیں: کوئی شخص دو اسباب کی بنا پر عذاب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ وہ دلیل سے منہ موڑے، دلیل کو جاننے کا ارادہ نہ کرے اور دلیل کے موجبات کو جاننے کی کوشش نہ کرے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ حجت قائم ہو جانے کے بعد سرکشی کا راستہ اختیار کرے اور دلیل کے موجبات پر عمل کا ارادہ ترک کر دے۔

پہلا رویہ کفر اعراض ہے اور دوسرا رویہ کفر عناد ہے۔

رہی یہ صورت کہ کسی نے جہالت کی بنا پر کفر کیا، ساتھ ہی اس کے خلاف حجت بھی نہیں قائم کی جا سکی اور وہ اس حجت سے باخبر بھی نہیں ہو سکا تو یہی وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عذاب دینے کی نفی کی ہے، یہاں تک کہ اس کے خلاف رسولوں کی حجت قائم ہو جائے۔ بات ختم ہوئی۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے لئے تصدیق اور اتباع دونوں ضروری ہے۔ اس کی ضد تکذیب اور اطاعت سے پیٹھ پھیر لینا ہے یعنی اعراض کرنا ہے۔

ان سب پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ ان کو جہالت کی وجہ سے معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ اگر انہیں جہالت کی وجہ سے معذور سمجھا جاتا تو پھر علم سے بہتر جہالت ہوتی۔

قرافی نے اپنی کتاب "الفروق" میں لکھا ہے: شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ جہالت جسے جاہل دور کر سکتا ہو، اس کے حق میں دلیل نہیں بنے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اپنے پیغام کے ساتھ اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث کیا اور تمام بندوں پر یہ فرض کیا کہ وہ اللہ کے پیغام کو جانیں اور اس پر عمل کریں، لہذا اللہ تعالیٰ کے پیغام کو جاننا اور اس پر عمل کرنا دونوں واجب ہے جس نے دین کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو ترک کر دیا اور جہالت و ناواقفیت کی حالت میں زندگی گزاری تو اس نے دو واجبات کو ترک کرنے کی وجہ سے دو معصیت کا ارتکاب کیا۔

ابن قیم رحمہ اللہ "مفتاح دارالسعادۃ" میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن يعيش عن ذكر الرحمٰن نقيض له شيطانا فهو له قرين وإنهم ليصدونهم عن السبيل ويحسبون أنهم مهتدون" (اور

جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا ہے اور وہ انہیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے اس طرح آزماتا ہے کہ شیطان کو اس کا ساتھی بناتا ہے پھر وہ شیطان کے بہکاوے میں آکر گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اِس کا سبب اس انسان کا رسول پر نازل کردہ اللہ کے ذکر سے اعراض کرنا ہے۔ اِس اعراض ہی کی یہ سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیا جو اُسے رب کے راستہ پر اور کامیابی کے راستہ پر چلنے سے روکتا ہے جبکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ ہدایت کے راستہ پر گامزن ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ انسان قیامت کے دن اپنے ساتھی شیطان کے ساتھ اپنے رب کے سامنے ہو گا اور اپنی مفلسی و ہلاکت کا مشاہدہ کرے گا تو کہے گا: "یا لیت بینی وبینك بعد المشرقین فبئس القرین" (کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی (تو) بڑا برا ساتھی ہے) جس نے اللہ کے ذکر یعنی وحی کے ذریعہ ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے سے اعراض کیا وہ لازمی طور پر قیامت کے دن یہی بات کہے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ کیا گمراہ ہو جانے کے معاملہ میں اس کا یہ عذر قابل قبول ہو گا جبکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ وہ ہدایت کے راستہ پر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کہا ہے: "ویحسبون أنھم مھتدون" (یہ اِسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں)؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اِن کا اور اِن جیسوں کا گمراہ ہو جانے کے تعلق سے کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو گا، کیونکہ ان کی گمراہی کی وجہ اس وحی الٰہی سے اِن کا اعراض کرنا ہے جو رسول لے کر آئے تھے، اگرچہ وہ اپنے کو ہدایت یافتہ ہی کیوں نہ سمجھتا ہو۔ اس نے ہدایت کے داعی کی اتباع سے اعراض کر کے اپنی طرف سے کوتاہی کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد جب وہ گمراہ ہو گیا تو یہ اس کی اپنی کوتاہی اور حق سے اعراض کرنے کی وجہ سے ہوا۔ برخلاف اس کے جو اللہ کا پیغام اس تک نہ پہنچنے کی وجہ سے گمراہ ہو گیا۔ نیز وہ خود بھی حق تک پہنچنے سے قاصر رہا۔ ایسے شخص کا دوسرا حکم ہے۔ قرآن مجید میں جو وعید آئی ہے وہ پہلے شخص کے لئے ہے۔ دوسرے شخص کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اُسی وقت عذاب دیتا ہے جب اس کے خلاف حجت قائم ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" (ہم کسی کو عذاب دینے والے نہیں یہاں تک ایک رسول بھیج دیں) دوسری جگہ ارشاد ہے: "رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل" (ہم نے انہیں رسول بنایا، جو خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے ہیں تاکہ لوگوں کی حجت اور الزام

رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے) جہنمیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وما ظلمنا هم ولكن كانوا هم الظالمين" (ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، وہ خود ظلم کرنے والے ہیں) ایک جگہ ارشاد ہے: "أن تقول نفس يا حسرتي على ما فرطت في جنب الله وإن كنت لمن الساخرين أو تقول لو أن الله هداني لكنت من المتقين أو تقول حين ترى العذاب لو أن لي كرة فأكون من المحسنين بلى قد جاءتك آياتي فكذبت بها واستكبرت وكنت من الكافرين" (ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص کہے ہائے افسوس! اس بات پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی کی بلکہ میں تو مذاق اڑانے والوں میں ہی رہا۔ یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پارسا لوگوں میں ہوتا۔ یا عذاب کو دیکھ کر کہے کاش! کہ کسی طرح میرا لوٹ جانا ہو جاتا تو میں بھی نیکو کاروں میں ہو جاتا۔ ہاں (ہاں) بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچ چکی تھیں جنہیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو تھا ہی کافروں میں) اِس معنی کی بہت سی آیتیں قرآن میں موجود ہیں۔ بات ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں بہت سی آیتیں نازل کی ہیں جو حق سے اعراض کرنے والوں کی مذمت کرتی ہیں، ان کے انجام بد کو بیان کرتی ہیں اور اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ یہ کافروں اور منافقوں کا عمل ہے۔ ان آیتوں میں سے ایک قوم نوح کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "وإني كلما دعوتهم لتغفرلهم جعلوا أصابعهم في آذانهم واستغشوا ثيابهم" (میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لئے بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: "قل أطيعوا الله والرسول فإن تولوا فإن الله لا يحب الكافرين" (آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر ان لوگوں نے روگردانی کی تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ہے) ایک جگہ ارشاد ہے: "والذين كفروا عما أنذروا معرضون" (اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں) ایک جگہ ارشاد ہے: "قل يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم ألا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً أرباباً من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدو بأنا مسلمون" (آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں) اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: "ويقولون آمنا بالله وبالرسول وأطعنا ثم يتولى فريق منهم من بعد ذلك وما أولئك بالمؤمنين و إذا دعوا إلى الله ورسوله

ليحكم بين هم إذا فريق من هم معرضون" (اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لائے اور فرمان بردار ہوئے، پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد بھی پھر جاتا ہے۔ یہ ایمان والے ہیں (ہی) نہیں۔ جب یہ اِس بات کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے جھگڑے چکادے تو بھی ان کی ایک جماعت منہ موڑنے والی بن جاتی ہے) ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وإذا قيل ل هم تعالوا إلى ما أنزل الله وإلى الرسول رأيت المنافقين يصدون عنك صدودا" (ان سے جب کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رکے جاتے ہیں) ایک جگہ ارشاد ہے: "وإذا ما أنزلت سورة نظر بعض هم إلى بعض هل يراكم من أحد ثم انصرفوا صرف الله قلوب هم بأن هم قوم لا يفق هون" (اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں پھر چل دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا دل پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں)

دین سے اعراض کرنے یا دین پر عمل کرنے سے منہ موڑنے کے متعدد اسباب ہیں۔ ان میں سب زیادہ واضح جہالت، مذموم تقلید اور دنیا اور اس کی خواہشات میں مشغول ہونا ہے۔

**فائدہ:** علماء نے بیان کیا ہے کہ کفر دو طرح کے ہیں:

(أ) کفر اکبر (جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے) اِس کفر کی پانچ قسمیں ہیں:

1۔ کفرِ تکذیب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن أظلم ممن افترى على الله كذبا أو كذب بالحق لما جاء ه أليس في ج هنم مثوى للكافرين" (اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا جب حق اس کے پاس آجائے تو وہ اسے جھٹلائے، کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہ ہو گا؟) اس آیت میں رسول کے لائے ہوئے دین کی تکذیب مراد ہے۔ یہ تکذیب یا تو ظاہری ہو گی یا باطنی ہو گی۔ باطنی تکذیب کم ہوتی ہے، ظاہری تکذیب زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی ایسی آیات کے ذریعہ تائید کرتا ہے جو ان کے سچے ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فإن هم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون" (یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالی نے آل فرعون کے بارے میں ارشاد فرمایا: "وجحدوا بها واستيقنتها أنفسهم ظلماً وعلواً" (انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ظلم و تکبر کی بنا پر)

یہ ہر حال میں کفر ہے، چاہے انکار ظاہری ہو یا باطنی ہو۔

سعدی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: رسول کا حق کے ساتھ مبعوث ہونا اور ان کفار کا اصلاً حق کو ناپسند کرنا ہی ان کے لئے حق کی تکذیب کا موجب ہوا۔ اِس کا سبب نہ تو شک کرنا تھا اور نہ رسول کی تکذیب تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فإنهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون" (یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیات ہی کے منکر ہیں)

2۔ ہٹ دھرمی اور تکبر کی وجہ سے کفر جبکہ وہ رسول کی صداقت کا معترف ہو: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا إلا ابليس أبى واستكبر وكان من الكافرين" (اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہو گیا)

رسول کے دشمنوں پر یہی کفر غالب رہا ہے۔ یہ لوگ رسولوں کی صداقت سے واقف تھے، اس کے باوجود تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی مخالفت کرتے تھے۔ اس کی مندرجہ ذیل اسباب تھے: یا تو اِس وجہ سے کہ وہ اپنے کو رسولوں سے افضل سمجھتے تھے جیسا کہ کچھ کافروں نے کہا تھا: "وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم" (اور کہنے لگے: یہ قرآن اِن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا)

اِسی قبیل سے ابلیس کا اظہار تکبر بھی ہے جس نے کہا تھا: "أنا خير منه خلقتني من نار وخلقته من طين" (میں آدم سے بہتر ہوں آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا) یا تو اس وجہ سے کہ وہ کافر رسول کو حقیر و کمتر سمجھتے تھے جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: "أنؤمن لبشرين مثلنا وقومهما لنا عابدون" (کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں حالانکہ خود ان کی قوم (بھی) ہمارے ماتحت ہے)

یا اِس وجہ سے کہ انہوں نے حمیت و غیرت قومی اور عار و شرمندگی کے خوف سے رسول کی دعوت کو ٹھکرا دیا جیسا کہ ابو طالب کے ساتھ ہوا۔ اِس کفر کے دیگر اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

3۔ شک اور ظن اور گمان کی وجہ سے کفر: یعنی وہ لوگ جو رسولوں کے لائے ہوئے پیغام الٰہی کی صداقت کے تعلق سے تردد کا شکار رہے اور اس پر یقین نہیں کیا۔ یہ بھی بہر حال کفر ہے، چاہے کسی کافر کو رسول کی صداقت میں شک ہوا ہو۔ یا کسی مسلمان کو دین کے کسی جزء کے بارے میں شک لاحق ہوا ہو مثلاً وہ جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں شک کرتا ہو۔ نور شریعت سے اعراض کرنے اور خلاف شرع کاموں میں ملوث ہونے کی وجہ سے بندہ کی یہ حالت ہوتی ہے۔

4۔ کفر اعراض: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "والذين كفروا عما أنذرو معرضون" (اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں) اِس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کلی طور پر شریعت سے منہ موڑتے ہیں۔ اِن کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔

5۔ نفاق کا کفر: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وإذا جاءك المنافقون قالوا نشهد إنك لرسول اللہ واللہ يعلم إنك لرسولہ واللہ يشهد إن المنافقين لكاذبون" (تیرے پاس جب منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اِس بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین قطعاً جھوٹے ہیں) ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: "ذلك بأنهم آمنوا ثم كفروا فطبع على قلوبهم فهم لا يفقهون" (یہ اِس سبب سے ہے کہ یہ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے، پس ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ اب یہ نہیں سمجھتے)

نفاق کی دو قسمیں ہیں:

1۔ نفاق اکبر (جو انسان کو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے) یہ عقیدہ کا نفاق ہے۔ اس نفاق میں مبتلا انسان لوگوں کو دکھانے کے لئے اسلام میں داخل ہوتا ہے جبکہ اسلام قبول کرنے میں اس کی رغبت و دلچسپی نہیں ہوتی ہے۔ وہ خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے لیکن اندر سے اسلام کے مضبوط کڑے کو توڑنے کا متمنی رہتا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے منافقین کے پردہ کو چاک کر دیا ہے اور قرآن میں ان کے رازوں سے پردہ ہٹا دیا ہے اور اپنے بندوں کے لئے منافقین کے معاملات کو واضح کر دیا ہے تاکہ وہ نفاق اور منافقین سے چوکنا رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرہ کے شروع میں دنیا کے تین انسانی گروہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ ہیں مومنین، کفار اور منافقین۔ اللہ تعالیٰ نے چار آیتوں میں مومنین کا تذکرہ کیا ہے، کفار کا دو آیتوں میں تذکرہ کیا ہے اور منافقین کا تیرہ آیتوں میں تذکرہ کیا ہے۔ ایسا ان کی

کثرت تعداد، ان کی وجہ سے عمومی ابتلاء و آزمائش اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے ان کے سنگین فتنے کی وجہ سے ہے۔ ان کی وجہ سے اسلام کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ہے، کیونکہ یہ لوگ اسلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، اسلام کی مدد و حمایت اور مسلمانوں سے موالات کا دم بھرتے ہیں جبکہ در حقیقت وہ اسلام کے دشمن ہیں۔ ہر روپ میں اسلام کے ساتھ دشمنی نبھاتے ہیں۔ جاہل سمجھتا ہے کہ یہ علم اور اصلاح ہے جبکہ حقیقت میں یہ آخری درجہ کی جہالت اور فساد پروری ہے۔ اللہ کی قسم، اِن لوگوں نے اسلام کے کتنے ہی قلعوں کو منہدم کر دیا اور نہ جانے کتنے قلعوں کی بنیاد اکھاڑ کر انہیں ویران کر دیا۔

2۔ نفاق اصغر (اس کی وجہ سے انسان ملت اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے) اس سے مراد عملی نفاق ہے: یعنی نفاق کے بعض کاموں میں ملوث ہونا مثلاً وعدہ خلافی، جھوٹ بولنا، خیانت کرنا اور جھگڑے میں گالی گلوچ کرنا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں؛ بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔" (متفق علیہ)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کے اندر چار چیزیں ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس کے اندر اِن میں سے ایک خصلت ہو اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہو گی یہاں تک کہ اُسے چھوڑ دے؛ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد و پیمان کرے تو دھوکہ دے جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔" (متفق علیہ)

(ب) کفر اصغر (اِس کی وجہ سے انسان ملت اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے)

اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری بھی شامل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فکفرت بأنعم اللہ" (ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی) اِس میں ہر وہ کام شامل ہے جسے نصوص میں کفر کہا گیا ہے جبکہ وہ کفر اکبر کے زمرہ میں نہ آتا ہو مثلاً مسلمان سے جنگ کرنا، نوحہ کرنا، نسب میں عیب جوئی کرنا وغیرہ۔

ابن قیم نے "مدارج السالکین" میں کہا ہے: کفر اکبر کی پانچ قسمیں ہیں:

1۔ کفر تکذیب

2۔ تکبر و انانیت کی وجہ سے کفر جبکہ حق کے پیغام کو سچ سمجھتا ہو۔

3۔ کفر اعراض

4۔ کفر شک

5۔ کفر نفاق

کفر تکذیب: کا مطلب ہے رسولوں کے جھوٹا ہونے کا اعتقاد رکھنا۔ کافروں میں اِس قبیل کے کم لوگ ہوتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی ہمیشہ تائید کرتا ہے اور انہیں ان کے سچے ہونے کے دلائل و براہین اور نشانیاں عطا کرتا ہے جن کے ذریعہ وہ حجت قائم کر دیتا ہے اور لوگوں کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہتا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وجحدوا بها واستيقنتها أنفسهم ظلما وعلوا" (انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے ارشاد فرمایا: "فإنهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون" (یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں) اِسے کفر تکذیب کہنا بھی صحیح ہے، اس لئے کہ یہ زبان سے تکذیب ہے۔

تکبر و انانیت کی وجہ سے کفر: جیسے کہ ابلیس کا کفر۔ اس نے اللہ کے حکم کو ٹھکرایا نہیں تھا اور نہ اس کا انکار کیا تھا بلکہ اس نے اللہ کے حکم آگے تکبر و انانیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اِسی قبیل سے ان لوگوں کا کفر بھی ہے جس نے رسول کو سچا جانا نیز اُسے معلوم تھا کہ رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں لیکن اس نے تکبر اور انانیت کی وجہ سے رسول کی اطاعت نہیں کی۔ رسولوں کے دشمنوں کی غالب اکثریت اِسی کفر میں مبتلا رہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اُن لوگوں نے یہ کہا: "أنؤمن لبشرين مثلنا وقومهما لنا عابدون" (کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں حالانکہ خود ان کی قوم (بھی ہمارے ماتحت ہے) اور قوموں نے اپنے رسولوں سے کہا: "إن أنتم إلا بشر مثلنا" (تم تو بس ہمارے ہی جیسے انسان ہو) ایک جگہ ارشاد ہے: "كذبت ثمود بطغواها" (قوم ثمود نے اپنی سر کشی کے باعث جھٹلایا) یہودیوں کا کفر بھی اِسی قبیل سے تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به" (باوجود آجانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے) دوسری جگہ ارشاد ہے: "يعرفونه كما يعرفوه أبناءهم" (یہ لوگ رسول کو اِسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہنچانتے ہیں) ابو طالب کا کفر بھی یہی تھا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور رسول سچا سمجھا، آپ کے رسول ہونے میں انہیں کوئی شک نہیں تھا، لیکن قوم کی حمیت

آڑے آگئی۔ آباءواجداد کی تعظیم نے ان کی ملت سے منحرف ہونے نہیں دیااور اِسی وجہ سے آباؤاجداد کے کفر کی گواہی نہیں دے سکے۔

کفرِاعراض: یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی سماعت اور دل کے ذریعہ رسول سے اعراض کرے۔نہ اس کی تصدیق اور نہ تکذیب کرے،نہ رشتۂ موالات رکھے نہ دشمنی کرے۔رسول کے لائے ہوئے پیغام کو سننے کے لئے تیار نہ ہو اجیسا کہ بنی عبد یالیل کے ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: اللہ کی قسم میں آپ سے کوئی بات نہیں کہوں گا۔اگر آپ سچے ہوئے تو آپ میری نظر میں اس سے زیادہ محترم ہیں کہ میں آپ کی تردید کروں اور اگر آپ جھوٹے ہوئے تو آپ اِس سے زیادہ حقیر ہیں کہ میں آپ سے بات کروں۔

کفرِشک: یہ ہے کہ کسی شخص کو رسول کے نہ سچے ہونے کا یقین ہو اور نہ ان کے جھوٹے ہونے کا یقین ہو بلکہ رسول کی رسالت کے معاملہ میں اُسے شک ہو۔شک کی یہ کیفیت اس صورت میں مسلسل برقرار رہتی ہے جبکہ کوئی شخص رسول کی صداقت کی منجملہ آیتوں پر غوروفکر سے اعراض کرنے کو اپنے لئے لازم کرلے۔نہ تواُن آیتوں کو سنے اور نہ ان کی طرف متوجہ ہو۔اگر وہ ان آیتوں کی طرف متوجہ ہوگا اور ان میں غوروفکر کرے گا تو پھر شک کی کیفیت باقی نہیں رہے گی۔اس لئے کہ آیتوں پر غور کرنے سے لازمی طور پر رسول کی صداقت کھل کر سامنے آتی ہے،خاص طور پر تب جبکہ تمام آیتوں کو سامنے رکھ کر ان پر غوروفکر کیا جائے۔یہ آیتیں رسول کی صداقت پر اُسی طرح دلالت کرتی ہیں جیسے کہ سورج دن کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔

کفرِنفاق: یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زبان سے ایمان کو ظاہر کرے اور اپنے دل میں رسول کی تکذیب کرے۔یہ نفاق اکبر ہے۔بات ختم ہوئی۔

**اِن تمام نواقض اسلام کے معاملہ میں مذاقاً، سنجیدگی اور خوف کی حالت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی کو اِس کے لئے مجبور کیا گیا ہو تو اس کا الگ حکم ہے۔**

---

مصنف رحمہ اللہ نے اِن دس نواقض اسلام کو ذکر کرنے کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ جس نے اِن نواقض میں سے کسی ایک کا ارتکاب کیا تو وہ کافر کہے جانے کا مستحق ہو گیا۔ اِس معاملہ میں اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہو گا کہ اس نے مذاقاً اور دل لگی کے لئے ایسا کیا تھا یا یہ کہ اُسے اس کے منصب و عہدہ اور مال کے ضائع ہونے کا ڈر تھا اور اسی قبیل کے دوسرے کمزور اور بے بنیاد عذر۔ مصنف رحمہ اللہ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ نواقض اسلام کا ارتکاب کرنے والا صرف ایک حالت میں معذور سمجھا جائے گا جبکہ اُسے اِس کام کے لئے مجبور کیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت میں صرف مجبور کئے گئے شخص کو مستثنیٰ کیا ہے جبکہ اُس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إلا من أُكره وقلبه مطمئن بالإيمان" (سوائے اس شخص کے جسے کفر کے لئے مجبور کیا گیا ہو جبکہ اس کا دل ایمان کے تعلق سے مطمئن ہو)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان لوگوں کا واقعہ بھی نقل کیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کے موقع پر جہاد کے لئے نکلے تھے؛ اس موقع پر ان لوگوں نے صحابہ کرام کا مذاق اڑایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی تھی: "ولئن سألتهم ليقولن إنما كنا نخوض ونلعب قل أبالله وآياته ورسوله كنتم

تست هزؤن لا تعتذروا قد كفرتم بعد إيمانكم" (اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجئے کیا اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں۔ تم بہانے نہ بناؤ، یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے)

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں زید بن اسلم کی روایت نقل کی ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک شخص نے مجلس میں کہا: ہم نے اپنے قرآن کے اِن قاریوں جیسا نہیں دیکھا جو پیٹ بھرنے کے سب سے زیادہ شوقین ہیں، زبان کے اعتبار سے سب سے زیادہ جھوٹے ہیں اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت سب سے زیادہ بزدل ہیں۔ یہ سن کر مجلس میں موجود ایک شخص نے کہا: تم نے جھوٹ کہا، تم منافق ہو، میں اس کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور بتاؤں گا۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچ گئی اور اس کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا جس نے یہ نازیبا بات کہی تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے کجاوہ کے پچھلے حصہ سے لٹکا ہوا تھا، پتھر اُسے زخمی کر رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم نے وہ بات ہنسی اور دل لگی کے طور پر کہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے جواب دے رہے تھے: کیا اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں۔ تم بہانے نہ بناؤ، یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کافر کہا جبکہ ان لوگوں نے یہ صفائی دی کہ انہوں نے بطور حقیقت یہ بات نہیں کہی تھی، انہوں نے مذاقاً یہ بات کہی تھی۔

مصنف رحمہ اللہ نے ایک جگہ یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو کافر کہا ہے جس نے کسی دنیوی مفاد کے لئے کفر کا ارتکاب کیا۔ انہوں نے اِس آیت سے استدلال کیا ہے: "ذٰلك بأنهم استحبوا الحياة الدنيا على الآخرة" (یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا) شیخ محمد بن عبد الوہاب کہتے ہیں: اِس آیت میں یہ صراحت ہے کہ یہ کفر اور اس کی وجہ سے عذاب کا سبب ان کی بد اعتقادی یا جہالت یا دین سے بغض یا کفر کی محبت نہیں تھا بلکہ اس کفر کا مقصد یہ تھا کہ اِس کی وجہ سے انہیں کچھ دنیا حاصل ہو جائے، لہذا اس نے اِسے دین پر ترجیح دیا۔

یہاں پر اِس بات سے آگاہ رہنا ضروری ہے کہ جس نے اِن نواقض اسلام میں سے کسی ایک کا ارتکاب کیا یا ان کے علاوہ کسی اور کفر کا ارتکاب کیا تو وہ کافر کہے جانے کا مستحق ہو گیا، اگرچہ اس کا مقصد کفر کرنا نہ ہو یا وہ کفر کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ اِس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کا حکم اس کی حقیقت کے تابع ہے، اس چیز کے نام[1] یا اس چیز پر عمل کرنے والے کی نیت کے تابع نہیں ہے۔

ابن جریر طبری کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "قل هل ننبئكم بالأ خسرين أعمالا الذين ضل سعي هم في الحياة الدنيا و هم يحسبون أن هم يحسنون صنعاً أولئك الذين كفرو بآيات رب هم ولقاٰءه فحبطت أعمال هم فلا نقيم ل هم يوم القيمة وزناً" (کہہ دیجئے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمہیں بتادوں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارہ میں کون ہیں؟ وہ ہیں کہ جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بیکار ہو گئیں اور وہ اِسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا، اس لئے ان کے اعمال غارت ہو گئے، پس قیامت کے دن ہم انکا کوئی وزن قائم نہ کریں گے) اس شخص کی بات کے غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے جس نے یہ کہا کہ اللہ کے ساتھ کفر تبھی ہو گا جبکہ اللہ کی وحدانیت کا علم ہونے کے بعد قصداً اللہ کے ساتھ کفر کیا جائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اِسے ذکر کر دیا ہے اور ان لوگوں کے بارے میں بتایا ہے جن کی صفت اِس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ ان کے دنیاوی اعمال گمراہی کی نذر ہو گئے جبکہ وہ بذات خود یہ سمجھتے تھے کہ وہ دنیا میں ایسا کر کے اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ ان ہی لوگوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کیا۔ اگر بات وہ ہوتی جیسا کہ کہنے والوں نے کہا ہے کہ اللہ کے ساتھ کفر تب ہو گا جبکہ اُسے اِس کے کفر ہونے کا علم ہو تو پھر اللہ نے اِس آیت میں جن لوگوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ یہ لوگ کفر کے باوجود اپنے عمل کو اچھا سمجھتے تھے، انہیں اِن کے عمل پر دوہرا اجر دیا جاتا لیکن اللہ کا قول اِن لوگوں کے برخلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اور ان کے اعمال ضائع ہونے والے ہیں۔

---

(1) مثلاً وہ شخص جو اللہ کے ساتھ اولیاء کو شریک ٹھہرانے کو وسیلہ کا نام دیتا ہے۔

ابن تیمیہ ''الصارم المسلول''میں لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ جس نے کوئی ایسی بات کہی یا ایسا عمل کیا جو کفر ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو گیا، اگرچہ اس نے کافر ہونے کا قصد نہ کیا ہو، اس لئے کہ کفر کا ارتکاب کسی کا مقصد نہیں ہوتا ہے اِلا ماشاء اللہ۔

ابن تیمیہ ''الفتاوی'' میں آیت کریمہ ''ولئن سألتھم لیقولن إنما کنا نخوض ونلعب قل أ باللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن لا تعتذوا قد کفرتم بعد إیمانکم'' کے ضمن میں کہتے ہیں: اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اِن لوگوں نے اپنی دانست میں کفر کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ ان کا یہ گمان تھا کہ ایسی بات کہنا کفر نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اِس حرام کا ارتکاب کیا جس کے حرام ہونے کا انہیں علم تھا لیکن وہ لوگ اِسے کفر نہیں سمجھتے جبکہ وہ کفر تھا جس کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے۔ وہ لوگ اس عمل کے جواز کے قائل نہیں تھے۔

ابن تیمیہ ''الصارم المسلول'' میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کا مذاق اڑانے والوں کے بارے میں فرمایا: ''لا تعتذرو قد کفرتم بعد إیمانکم'' اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ لوگ نازیبا بات کہنے کی وجہ سے کافر ہو گئے جبکہ وہ اپنی بات کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اِس قبیل کے اعمال و حرکات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حدیث نبوی ''یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ'' (وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جانے والے ہیں جیسے کہ تیر شکار کے جسم سے نکل جاتا ہے) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں: اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ دین سے نکل جاتے ہیں جبکہ ان کا دین سے نکل جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا ہے، نہ وہ دین اسلام کے بجائے کسی اور دین کو اپناتے ہیں۔

ابن نجیم کہتے ہیں: جس نے مذاقاً کوئی کفریہ بات کہی یا ہنسی کھیل میں کوئی کفریہ کلمہ کہا، ہر حال میں وہ کافر ہو گیا۔ اس صورت میں اس کے عقیدہ کا اعتبار نہیں ہو گا۔

یہاں اِس بات سے آگہی ضروری ہے کہ کفر اور کسی شخص کی تکفیر لازم و ملزوم نہیں ہے۔ کبھی کوئی بات یا کوئی عمل کفریہ ہوتا ہے لیکن اس بات کو کہنے والا یا اُس عمل کو انجام دینے والا کافر نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کی تکفیر میں مانع عذر موجود ہوتا ہے مثلاً جہالت اور تاویل۔ چنانچہ ہر وہ شخص جو کفر میں ملوث ہو گیا ضروری نہیں کہ وہ کافر کے حکم میں ہو۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ کبھی کوئی قول کفریہ ہوتا ہے لہذا اس قول کے قائل پر مطلق طور پر کافر ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: جس نے یہ بات کہی وہ کافر ہے۔ لیکن کوئی شخص معین جس نے وہ کفریہ بات کہی ہے اس پر کافر ہونے کا حکم تب تک نہیں لگایا جائے گا جب تک اس کے خلاف وہ حجت قائم نہ ہو جائے جس کا ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

اس کی دلیل صحیحین میں منقول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹوں کو اپنی لاش کو نذر آتش کر دینے کی وصیت کی تھی۔ اس کے بارے میں وہ کہتے ہیں: اِس شخص نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اِس بات میں شک کیا تھا کہ جب اُسے راکھ کی شکل میں اڑا دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ دوبارہ اُسے زندہ کر دے گا۔ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ اُسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکے گا۔ اس کے کفر ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، لیکن یہ شخص جاہل تھا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ وہ مومن تھا اور اللہ تعالی کے عذاب سے ڈرنے والا تھا، لہذا اللہ تعالیٰ نے اِس خوف الہی کی وجہ سے اُسے بخش دیا۔ مجتہدین میں سے جو لوگ نصوص کی تاویل و تفسیر کرتے ہیں اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے شدید خواہش مند ہوتے ہیں وہ اِس شخص کے مقابلہ میں مغفرت کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں۔ بات ختم ہوئی۔

اِسی طرح کی بات ابن قیم نے بھی کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں: مثلاً اس شخص سے متعلق حدیث جس نے اِس کا انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل ہے۔ اس نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا تھا کہ اس کی لاش کو نذر آتش کر دیں اور اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالی نے اسکی مغفرت فرمادی اور اُس کی جہالت و ناواقفیت کی وجہ سے اس کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کیا۔ اس لئے کہ اس کے پاس جتنا علم تھا اسی کے مطابق اس نے کام کیا تھا۔ اس نے بطور سرکشی و تکذیب اُسے دوبارہ زندہ کرنے کی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار نہیں کیا تھا۔[1]

---

(1) اِس شخص کے حال کے تعلق سے صحت سے قریب ترین بات یہ ہے کہ اُسے مطلق طور پر اللہ کی قدرت کے بارے میں شک نہیں ہوا تھا، نہ اُسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں شک تھا، اس نے یہ گمان کیا تھا کہ اگر اس کی لاش کو جلا دیا جائے تو ہو سکتا ہے اُسے دوبارہ زندہ نہ کیا جائے۔ اِس کی دلیل اس کا یہ قول ہے: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قدرت پالی تو وہ مجھے ضرور عذاب دے گا۔ اس کے اِس قول میں دوبارہ زندہ کئے جانے اور حساب و کتاب کا اقرار ہے۔ اِسی کے ساتھ یہ بھی کہا جائے گا کہ جہالت اور ناواقفیت کے سبب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر اس کا کامل یقین نہیں تھا۔ واللہ اعلم

خطابی کہتے ہیں: اِس شخص کے بارے میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے اس کی مغفرت کی جائے گی جبکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر اللہ کی قدرت کا منکر تھا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ

ابن تیمیہ کہتے ہیں: ہمیں دین اسلام میں یہ بات ضروری طور پر معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے یہ مشروع نہیں کیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی مردے کو پکارے یا اس سے دعا مانگے، نہ تو انبیاء میں سے کسی کو اور نہ غیر انبیاء کو، نہ تو لفظ استغاثہ کے ذریعہ اور نہ کسی دوسرے لفظ کے ذریعہ۔ اِسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ کے لئے سجدہ کرنے یا مردہ کی طرف رخ کر کے سجدہ کرنے کو مشروع نہیں کیا ہے۔ اس کے بر خلاف ہمیں یہ معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن تمام کاموں سے منع فرمایا ہے۔ یہ وہ شرک ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ لیکن بہت سے متاخرین کے لئے جہالت کے غلبہ کی وجہ سے اور رسالت محمدی کے آثار کے بارے میں ان کی کم علمی کی وجہ سے مذکورہ کاموں کو انجام دینے والوں کی تکفیر ممکن نہیں ہوئی جب تک کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو ان کے سامنے واضح نہ کر دیا جائے جو اِن شرکیہ کاموں کے بر خلاف ہے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب کہتے ہیں: شخص معین کی تکفیر کا مسئلہ ایک معروف مسئلہ ہے۔ جب کوئی شخص کوئی کفریہ بات کہتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ جس نے یہ کفریہ بات کہی وہ کافر ہے۔ لیکن جب کوئی شخص معین وہ کفریہ بات کہتا ہے تو اس کے کافر ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا جب تک کہ اس کے خلاف وہ حجت قائم نہ کر دی جائے جس کا تارک کافر ہو جاتا ہے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب ان لوگوں کو کافر کہتے تھے جو نجد میں زید بن خطاب کی قبر کے لئے کسی بھی قسم کی عبادت انجام دیتے تھے، کیونکہ اہل نجد کو اِس کی حرمت کا حکم پہنچا دیا تھا اور شرعی دلائل کے ذریعہ ان کے خلاف حجت قائم کر دی تھی۔

---

کئے جانے کا منکر نہیں تھا۔ اصل میں وہ اِس حقیقت سے ناواقف تھا لہذا اُس نے یہ سمجھا کہ اگر اس کی لاش کو جلا دیا گیا تو اُسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، پھر اُسے عذاب بھی نہیں دیا جائے گا۔ اس کا ایمان اس وقت ظاہر ہوا جب اس نے یہ اعتراف کیا کہ اس نے ایسا اللہ کے ڈر کی وجہ سے کیا تھا۔ بات ختم ہوئی۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: ہر چیز پر اللہ کی قدرت اور انسانوں کے جسموں کو دوبارہ لوٹانے پر ایمان رکھنا اصول ایمان میں سے ہے۔ یہ شخص اللہ اور اس کے اوامر و نواہی پر ایمان رکھنے والا تھا۔ اللہ کی قدرت اور انسانوں کے جسموں کو دوبارہ لوٹانے پر اس کا ایمان مجمل تھا، لہذا اس نے یہ سمجھا کہ اسے جلا دیئے جانے کے بعد اس کے جسم کو دوبارہ لوٹایا جانا محال ہو گا لہذا اس نے اپنے گھر والوں کو لاش کو جلانے کا حکم دیا۔ یہ بات معلوم ہے کہ اگر اُس کے پاس یہ علم ہوتا کہ اس کی لاش کو جلا دیئے جانے کے بعد بھی اللہ اس کے جسم کو لوٹائے گا جیسا کہ اُسے یہ علم تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے جسموں کو لوٹائے گا تو وہ اپنی لاش کو جلانے کا حکم نہ دیتا۔

لیکن جو اِسی طرح کا کام بدوی کی قبر کے پاس کرتا تھا اُسے کافر نہیں کہتے تھے، کیونکہ وہ لوگ اِس کے حکم سے ناواقف تھے اور اس کے بارے میں کوئی انہیں آگاہ کرنے والا نہیں تھا۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کا یہ قول بھی ہے: ہم ان کی تکفیر نہیں کرتے ہیں جو عبد القادر کی قبر پر بنے بت کی عبادت کرتے ہیں اور جو احمد بدوی کی قبر پر بنے بت کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے جیسے دوسرے لوگوں کی بھی تکفیر نہیں کرتے ہیں، اِن کی جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے اور اِس وجہ سے کہ کوئی انہیں شرعی حکم سے آگاہ کرنے والا نہیں ہے۔[1]

شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ تکفیر کے معاملہ میں سب سے زیادہ توقف اور احتیاط کرنے والے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے اس جاہل وناواقف کو حتمی طور پر کافر نہیں کہا جو قبر والے غیر اللہ کو پکارتا ہے اور ان سے دعا مانگتا ہے جبکہ ایسا کرنے والے کو کوئی عالم میسر نہ ہو جو اُسے نصیحت کرے اور اس تک وہ حجت پہنچادے جس کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔

یہاں اِس بات سے آگاہ رہنا بھی ضروری ہے کہ جو شخص اِن نواقض اسلام میں سے کسی ایک ناقض اسلام میں ملوث ہو گیا یا اِن کے علاوہ کسی کفریہ عمل کا مرتکب ہوا تو اس کی جہالت وناواقفیت کا عذر مطلق طور قبول نہیں کیا جائے گا۔

اصولی مسائل میں اور دین کے اندر ضروری طور پر معلوم امور میں جہالت وناواقفیت کا عذر صرف خاص حالات میں قابل قبول ہے مثلاً جو اسلام میں نیا داخل ہوا ہو یا جس نے دور دراز بادیہ میں پرورش پائی ہو یا جو ایسے علاقہ میں رہتا ہو جہاں جہالت کا دور دورہ ہو مثلاً افریقہ کے دور دراز علاقے اور روس کے گمنام علاقے وغیرہ۔

مسلمانوں کے درمیان رہنے والا کوئی شخص اگر ناول نگاری وغیرہ کے ذریعہ شرعی احکام یا اللہ کی ذات کا مذاق اڑاتا ہے تو اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو گا۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جہالت مطلق طور پر عذر ہے اور نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ جہالت مطلق طور پر عذر نہیں ہے۔ جہالت کا حکم مسائل، اشخاص، حالات، زمانے اور جگہوں کے اختلاف سے تبدیل ہوتا ہے۔

---

(1) الدرر السنیۃ (1/104)

اِسی طرح کسی کے خلاف حجت قائم ہوئی یا نہیں یا کسی نے حجت کو سمجھا یا نہیں سمجھا۔ اِس کے ضابطہ کے تعلق سے کوئی ایک بات کہنا ممکن نہیں ہے۔ اس میں بھی مسائل، اشخاص، حالات، زمانے اور مقامات کے اختلاف سے تبدیلی واقع ہو گی۔

ابن قیم "طریق الھجرتین" میں کہتے ہیں: حجت قائم ہونے کا حکم زمانے، مقامات اور اشخاص کے مختلف ہونے کی وجہ سے بدلتا ہے۔ کفار ہی کے خلاف ایک زمانہ میں حجت قائم ہوتی ہے اور دوسرے زمانے میں قائم نہیں ہوتی ہے، ایک علاقہ میں ان کے خلاف حجت قائم ہوتی ہے اور دوسرے علاقہ میں نہیں ہوتی ہے۔ اِسی طرح کبھی حجت ایک شخص کے خلاف قائم ہوتی ہے اور دوسرے کے خلاف قائم نہیں ہوتی ہے اس کا سبب یا تو عقل و تمیز سے اس کی محرومی ہوتی ہے مثلاً چھوٹا بچہ اور پاگل، یا پھر اس کا سبب فہم و شعور کا نہ ہونا ہوتا ہے مثلاً وہ شخص جو خطاب کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور وہاں پر کوئی ترجمانی کرنے والا بھی نہ ہو۔ اس صورت میں سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھنے والا شخص بہرے کے حکم میں ہے جو کچھ نہیں سنتا ہے اور نہ سمجھنے کی قدرت رکھتا ہے۔ وہ ان چار لوگوں میں سے ایک ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حجت پیش کریں گے جیسا کہ اسود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما وغیرہ کی حدیث میں گذر چکا ہے۔ بات ختم ہوئی۔

یہ باریک مسائل میں سے ہے۔ اس کے باوجود اس کے بارے میں حق و ناحق بہت زیادہ قیل و قال کیا گیا، اس کے تعلق سے بہت زیادہ سوالات کئے گئے اور اس کی طرف بہت زیادہ توجہ مبذول کی گئی۔ اس طرح کے مسائل میں مناسب یہی ہے کہ علماء کے اقوال سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

دائمی کمیٹی برائے افتاء کے فتاوی میں مذکور ہے: کسی انسان کا دینی مسائل سے ناواقف ہونا اس کے لئے عذر ہے یا نہیں ہے، اس سے متعلق حکم کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے پاس پیغام صحیح طریقہ سے پہنچا ہے یا نہیں، زیر بحث مسئلہ اس کے لئے کس حد تک واضح رہا ہے یا کس حد تک پوشیدہ رہا ہے اور جن لوگوں سے متعلق وہ مسئلہ ہے ان کے ادراک کی صلاحیت قوی ہے ضعیف ہے۔

جس نے ضرر کے ازالہ کے لئے اور مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے قبروں والوں سے فریاد کی تو اس کے سامنے تبلیغ کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے یہ واضح کر دیا جائے گا کہ اس کا یہ عمل شرک ہے۔ اس طرح اس کے خلاف حجت قائم کر دی جائے گی۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے شرکیہ عمل پر اصرار کرتا ہے تو وہ مشرک ہے۔ دنیا میں اس کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔ اگر اسی پر اس کی موت ہو گئی تو وہ آخرت میں دردناک عذاب کا مستحق ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "رسلا

مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل وکان اللہ عزیزا حکیما"(ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے) دوسری جگہ ارشاد ہے:"وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً" (اور ہماری سنت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں) ایک جگہ ارشاد ہے:"و أوحي إلیّ هذا القرآن لأنذرکم بہ ومن بلغ" (اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں) اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اس امت کا جو بھی یہودی اور نصرانی میری رسالت کے بارے میں سنے گا، پھر وہ اس شریعت پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے تو وہ جہنمی ہو گا۔" (صحیح مسلم) ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مواخذہ سے پہلے احکام الٰہی کو واضح کرنا اور حجت قائم کرنا واجب ہے۔

جو شخص کسی ایسے ملک میں رہ رہا ہو جہاں وہ اسلام کی دعوت اور اس کے پیغام کے بارے میں سنتا ہو، پھر وہ ایمان نہ لائے اور حق کو اہل حق سے جاننے کی کوشش نہ کرے تو وہ اس شخص کے حکم میں ہے جس کے پاس اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے اس کے باوجود وہ کفر پر اصرار کر رہا ہے۔ اس کی دلیل اوپر نقل کی گئی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا عموم ہے۔ نیز اس کی دلیل موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا وہ واقعہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کیا ہے کہ سامری نے ان لوگوں کو گمراہ کر دیا جس کی وجہ سے ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کے لئے جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے جب بچھڑے کی پرستش کے لئے بنو اسرائیل پر نکیر کی تو ان لوگوں نے کہا:"لن نبرح علیہ عاکفین حتی یرجع إلینا موسیٰ" (موسیٰ (علیہ السلام) کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے رہیں گے) اس طرح ان لوگوں نے شرک کے داعی کی بات مانی اور توحید کے داعی کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے شرک کی دعوت قبول کرنے کے معاملہ میں اور ان کے لئے شرک و توحید میں التباس پیدا کر دیئے جانے کے معاملہ میں انہیں معذور نہیں سمجھا کیونکہ شرک کی دعوت کے پہلو بہ پہلو ان کے لئے توحید کی دعوت بھی موجود تھی۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے بھی انہیں ابھی جلد ہی دعوت توحید سے روشناس کیا تھا۔

اس کی دلیل وہ واقعہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شیطان اور جہنمیوں کے درمیان مناقشہ کے طور پر بیان کیا ہے جبکہ شیطان جہنمیوں سے الگ تھلگ ہو جائے گا اور ان سے اظہار براءت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وقال الشيطان لما قضى الأمر إن اللہ وعدكم وعد الحق ووعدتكم فأخلفتكم وما كان لي عليكم من سلطان إلا أن دعوتكم فاستجبتم لي فلا تلوموني ولو موا أنفسكم ما أنا بمصرخكم وما أنتم بمصرخي إني كفرت بما أشركتموني من قبل إن الظالمين لهم عذاب أليم" (جب اور کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا کہ اللہ نے تو تمہیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدے کئے تھے ان کا خلاف کیا، میرا تم پر کوئی دباؤ تو تھا ہی نہیں، ہاں میں نے تمہیں پکارا اور تم نے میری مان لی، پس تم مجھے الزام نہ لگاؤ بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہارا فریاد رس اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے، میں تو سرے سے مانتا ہی نہیں کہ تم مجھے اس سے پہلے اللہ کا شریک مانتے رہے، یقیناً ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے) اس آیت سے یہ واضح ہے کہ جن لوگوں نے شیطان کے وعدے کی تصدیق کی، شیطان کے ذریعہ شرک کو مزین کرنے کی وجہ سے اس کے جھانسہ میں آ گئے اور شیطان کے کہنے پر شرک میں ملوث ہو گئے، اللہ نے ان کا عذر قبول نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ شیطان کے اس جھوٹے وعدہ کے ساتھ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا بے پایاں اجر و ثواب کا سچا وعدہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ اس شخص کے لئے تھا جو اس کے وعدہ کو سچ سمجھتے ہوئے اس کی نازل کردہ شریعت کو قبول کرتا اور اس کے سیدھے راستہ کی پیروی کرتا۔

جو شخص ان ممالک کی صورت حال پر غور کرے گا جہاں اسلام پھیل چکا ہے تو وہ دیکھے گا کہ وہاں دو گروہ اسے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک گروہ مختلف قسم کی بدعات کی دعوت دیتا ہے۔ ان میں سے کچھ بدعات شرکیہ ہیں اور کچھ غیر شرکیہ ہیں۔ باطل پرستی کی دعوت دینے والے یہ لوگ لوگوں پر حق و باطل کو مشتبہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لوگوں کے سامنے اپنی بدعات کو خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں، اس کے لئے غیر ثابت شدہ احادیث کا سہارا لیتے ہیں اور عجیب و غریب واقعات کو خوبصورت اور پرکشش اسلوب میں پیش کرتے ہیں۔ دوسرا گروہ حق و ہدایت کی دعوت دیتا ہے، اس کے لئے قرآن و سنت سے دلائل کو سامنے رکھتا ہے، دوسرے گروہ کی دعوت کے باطل ہونے اور اس کی کجی و کھوٹ کو واضح کرتا ہے۔ اس دوسرے گروہ کی دعوت و تبلیغ اور حق کی وضاحت حجت قائم کرنے کے لئے کافی ہے، اگرچہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔ دلائل کے ساتھ حق کو بیان کرنے کا اعتبار ہے، نہ کہ کثرت تعداد کا۔

جو شخص عقلمند ہو گا اور اس طرح کے مسلم ممالک میں زندگی گزارتا ہو گا وہ حق کو اہل حق کے ذریعہ جاننے پر قادر ہو گا جبکہ وہ حق کی تلاش و جستجو کے لئے محنت کرے، خواہش پرستی اور عصبیت سے محفوظ ہو، مالداروں کی مالداری، قائدین کی سیادت و قیادت اور سربرآوردہ لوگوں کی وجاہت سے دھوکہ نہ کھائے، اس کا فکری توازن بگڑا نہ ہو، اس نے اپنی عقل کا استعمال ترک نہ کیا ہو اور نہ ان لوگوں میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن الله لعن الكافرين وأعدلهم سعيرا خالدين فيها أبدا لا يجدون وليا ولا نصيرا يوم تقلب وجوههم في النار يقولون ياليتنا أطعنا الله وأطعنا الرسولا وقالوا ربنا إنا أطعنا سادتنا وكبراءنا فأضلونا السبيلا ربنا آتهم ضعفين من العذاب والعنهم لعنا كبيرا" (اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے۔ اس دن کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے۔ (حسرت و افسوس سے) کہیں گے کہ کاش ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا، پروردگار تو انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت نازل فرما)

رہے وہ لوگ جو غیر مسلم ممالک میں زندگی گزار رہے ہیں، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور اسلام کے بارے میں نہیں سنا، ایسے لوگوں کے وجود کو ماننے کی صورت میں یہ لوگ اہل فترہ (جن کے درمیان طویل عرصہ سے کوئی نبی نہیں آیا) کے حکم میں ہوں گے۔ ان کے تئیں علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ حجت قائم کرنے کے لئے اسلامی شریعت کے اصول و فروع کو ان تک پہنچائیں۔ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ ان لوگوں جیسا معاملہ کیا جائے گا جو جنون، ناسمجھی، صغر سنی اور عدم تکلیف کی وجہ سے مکلف نہیں تھے۔

احکام شریعت کا وہ حصہ جو دلالت و وضاحت کے اعتبار سے یا کئی طرح کے موافق و مخالف دلائل کی وجہ سے مخفی ہے، ان میں اختلاف رائے کرنے والے کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ ایمان لایا اور انکار کیا۔ البتہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے صحیح اجتہاد کیا یا اجتہاد میں غلطی کی۔ اس میں غلط اجتہاد کرنے والے کو معذور سمجھا جائے گا اور اجتہاد کے ذریعہ حق تک رسائی حاصل کرنے والے کو دوہرے اجر کا مستحق سمجھا جائے گا۔ اس قبیل کے لوگ قوت ادراک کے اختلاف، عربی زبان اور اس کے ترجمے سے واقف ہونے، قرآن و سنت کے نصوص سے وسیع پیمانہ پر واقفیت اور صحیح و غیر صحیح اور ناسخ و منسوخ کا علم رکھنے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متفاوت ہوتے ہیں۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ موحدین کی وہ جماعت جو قبر پرستوں کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے، ان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ان موحد بھائیوں کی تکفیر کریں جنہوں نے قبر پرستوں کے کفر کے بارے میں توقف اختیار کیا ہے تا آنکہ ان کے خلاف حجت قائم کر دی جائے۔ اس لئے کہ قبر پرستوں کی تکفیر کے تعلق سے ان کا توقف اختیار کرنا ایک شبہ کی وجہ سے ہے اور وہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان قبر پرستوں کی تکفیر سے پہلے ان کے خلاف حجت قائم کرنا ضروری ہے۔ لیکن ان لوگوں کا معاملہ اس کے برخلاف ہے جن کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے مثلاً یہود و نصاریٰ اور اشتراکیت کے علمبردار اور ان کے جیسے دوسرے منکرین حق۔ ان لوگوں کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور جو انہیں کافر نہ کہے ان کے کافر ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق سے نوازنے والا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ مسلمانوں کے حالات درست کر دے، انہیں دین کا تفقہ عطا کرے، ہمیں اور انہیں نفس کی برائیوں، بداعمالیوں اور بلا علم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ بولنے سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کا مالک اور اس پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلّم

| | |
|---|---|
| نائب صدر دائمی کمیٹی | صدر |
| عبدالرزاق عفیفی | عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز |

یہ سارے نواقض اسلام دین و ایمان کے لئے آخری حد تک خطرناک ہیں جن میں لوگ عام طور پر ملوث ہوتے ہیں، لہذا ایک مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ان نواقض سے بچے اور اپنی ذات کے تعلق سے ان سے خائف رہے۔ ہم اللہ کے غضب کو دعوت دینے والے کاموں اور اس کے دردناک عذاب سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلّم

---

مصنف رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ کو اس تاکید کے ساتھ ختم کیا ہے کہ لوگ ان نواقض اسلام میں ملوث ہونے سے بچیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بتایا ہے کہ باوجود یکہ یہ نواقض اسلام دین و ایمان کے لئے حد درجہ خطرناک ہیں، پھر بھی لوگ ان میں بکثرت ملوث ہوتے ہیں۔ اس کا سبب ان کی کم علمی، جہالت کا غلبہ، گمراہی کی دعوت دینے والے علماء کی تلبیسات اور جاہلوں کا ان کی تقلید کی طرف مائل ہونا ہے، لہذا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان گناہوں میں ملوث ہونے سے ڈرتا رہے جن میں ہر دور میں بہت سے لوگ ملوث ہوئے ہیں۔ اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ علم نافع کے راستہ پر چلے۔ ان مسائل میں حجت کے ظاہر ہونے کے لئے بہت زیادہ مشقت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن مجید میں حد درجہ وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے آل اور اصحاب پر درود و سلام پر ختم کیا ہے۔

واللہ اعلم، وصَلِّ اللھم علی نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وصحبہ وسَلّم